رجسٹر نمبر ایل ۱۷۷۵

قال الله تعالیٰ وقرآنا فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلا

چوں آیت موصوفہ دال ست بر نافعیت تعلیم تدریجی بجائے

عامہ ناس حاضر باشد یا بادی و نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ و نیز مشتمل ست

بر مقاصد مبادی و پس اتباعا للنص المزبور صحیفہ شہریہ کہ ستدرج بتدرج مشہور

مسمّٰی بہ

# الہادی


جلد ۶ | بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ | نمبر ۷


کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب ہادی و مذکر ست در ہر مجلس نادی

و ممکن ست برائے ہر طالع و صادی و بصورت جز رسالۃ الانوار محمدی و تسہیل المواعظ

و حل اشتباہات و کلید مثنوی و تشرف و امثال عبرت و انتخاب و سیرۃ الصدیق کہ اکثر آں مستفاد ست

اندر گاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی و بادارۃ محمد عثمان عامی و رہبراہ اسلامی


در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتبخانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی بزندگانی نور بر صدور میگردد

# فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ ہجری نبوی صلعم
جو بہ برکت دعاء حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ العالی
کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی سے شائع ہوتا ہے

عورت کو جائز نہیں ہے کہ اُسکی موجودگی میں بدون اُسکی اجازت کے روزہ رکھے اور اُسکے گھر میں بھی بدون اُسکی اجازت کے کسی کو آنے کی اجازت دے۔ اسکو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور احمد نے سند حسن سے روایت کرکے اتنا زیادہ کیا ہے "مگر رمضان" (یعنی رمضان کے روزہ کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں) ابو داؤد کی بعض روایات میں بھی یہ قید آئی ہے اور ترمذی و ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ عورت کو شوہر کی موجودگی میں ماہ رمضان کے سوا کسی دن کا روزہ بدون اُسکی اجازت کے نہ رکھنا چاہیئے۔ ابن خزیمہ و ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں ترمذی کے موافق ہی روایت کیا ہے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے شوہر کی بغیر اجازت کے (نفل) روزہ رکھے پھر وہ اُسے کسی کام کے لئے تکلیف دینا چاہے اور یہ اُس سے انکار کرے اللہ تعالےٰ اُس کے اوپر تین گناہ کبیرہ لکھیں گے اسکو طبرانی نے اوسط میں بقیہ (بن ولید راوی) کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے اور اسمیں نکارت بھی ہے واللہ اعلم۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شوہر کا ایک حق بیوی پر یہ ہے کہ وہ نفل روزہ بدون اُسکی اجازت کے نہ رکھے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو بھوکی اور پیاسی ہی رہے گی اور (خدا کے نزدیک) روزہ قبول نہ ہوگا یہ حدیث پوری باب نکاح میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

## مسافر کو روزہ سے ممانعت

اور

## افطار کی ترغیب جبکہ روزہ اُسپر گراں ہو

(۱) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال میں رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے جب

کراع الغمیم میں پہونچے تو آپ کا بھی روزہ تھا اور سب لوگوں کا بھی روزہ تھا۔ پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اُسکو ہاتھ میں اُٹھایا یہاں تک کہ سب لوگوں نے اُس کو دیکھ لیا پھر آپ نے اُس کو نوش فرمایا اس کے بعد حضور سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگ اب بھی روزہ سے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ یہ لوگ نافرمان ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور نے دوبارہ فرمایا کہ یہ لوگ نافرمان ہیں یہ لوگ گنہگار ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ (جب آپ روزہ کی حالت ہی میں کراع الغمیم تک پہونچ گئے تو) آپ سے عرض کیا گیا کہ روزہ لوگوں پر گراں گذر رہا ہے مگر وہ آپ کے عمل کو دیکھ رہے ہیں (کہ آپ روزہ نہ رکھیں تو وہ بھی نہ رکھیں گے ورنہ آپ کا اتباع کریں گے۔ گو سفر کی وجہ سے روزہ اُن پر کیسا ہی گراں ہو) تب آپ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگایا۔ الحدیث اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔

**ف۔سوال۔** سفر میں روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔ پھر حضور نے ان لوگوں کو جنہوں نے حضور کے افطار کے بعد بھی روزہ رکھا نافرمان کیوں فرمایا۔

۹۰ **جواب۔** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب کو دکھلا کر پانی پیا تھا اُس سے مقصود ہی یہ تھا کہ لوگ افطار کر دیں کیونکہ روزہ سے اُنپر گرانی ہو رہی تھی۔ اگر دوسروں کی رعایت مدنظر نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افطار کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ حضور کو خدا تعالیٰ نے سب سے زیادہ قوت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ پے درپے مسلسل روزے رکھا کرتے تھے کہ درمیان میں افطار بھی نہ کرتے تھے اور اُمت کو اس سے منع فرماتے ہوتے ارشاد فرماتے کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو مجھے اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ جب حضور نے صحابہ کی خاطر سے افطار کر لیا تو اب بعضوں کا افطار نہ کرنا گویا حضور کے انعام کو رد کرنا تھا۔ نیز گویا اپنے کو حضور سے زیادہ باہمت ظاہر کرنا تھا۔ اور رمضان کے زمانہ میں روزہ توڑنے سے کراہت کا اظہار تھا۔ گو جان کو بن جاوے اور شریعت کی رخصت و آسانی سے انکار تھا اِسلئے حضور نے ان لوگوں کو نافرمان فرمایا خوب سمجھ لو۔

عہ کراع الغمیم قال المنذری ہو موضع علی ثلاثۃ امیال من عسفان وکراع بضم الکاف والغمیم بفتح الغین المعجمۃ ۱۲ منہ

(۲) حضرت جابرؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے تو آپ نے ایک شخص پر لوگوں کا اجتماع دیکھا کہ اُسپر سایہ کر رہے ہیں حضور نے دریافت فرمایا کہ اسکو کیا ہوا عرض کیا گیا کہ یہ شخص روزہ دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ ایک روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اللہ کی اُس رخصت (وسہولت) کو ضرور لیلو جو تم کو عطا کی گئی ہے۔ اسکو بخاری ومسلم وابو داؤد ونسائی نے روایت کیا ہے۔ اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جس کے اوپر ایک درخت کے سایہ میں پانی چھڑکا جا رہا تھا حضور نے فرمایا اِس شخص کا کیا حال ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ روزہ دار ہے حضور نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے۔ تم اللہ کی رخصت کو جو تمہیں عطا کی گئی ہے لیلو اور اُسکو قبول کرو۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہو وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ سے آرہے تھے کہ ایک دن سخت گرمی میں ہم کو چلنا ہوا پھر راستہ میں اُترنا ہوا تو ایک شخص رستہ سے ہٹ کر ایک درخت کے نیچے چلا گیا اور اُس کے ساتھی اُسکو گھیر کر بیٹھ گئے اور وہ بیمار کی طرح لیٹ گیا۔ جب اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فرمایا تمہارے آدمی کا کیا حال ہے لوگوں نے عرض کیا روزہ دار ہے۔ حضور نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے۔ تم اُس رخصت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہے لیلو اور قبول کرو اسکو طبرانی نے کبیر میں سند حسن سے روایت کیا ہے۔

(۴) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کا واقعہ اور ایسا ہی ارشاد نبوی منقول ہے جس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اُسکے راوی صحیح کے راوی ہیں

(۵) کعب بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے اِسکو نسائی وابن ماجہ نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور امام احمد نے بھی اور اُن کے راوی صحیح کے

راوی ہیں۔

(۶) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مضمون کو روایت کیا ہے جس کو ابن ماجہ وابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(۷) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے والا ایسا ہے جیسے حضر میں افطار کرنے والا اسکو ابن ماجہ نے اسی طرح مرفوعاً روایت کیا ہے اور نسائی نے سند حسن سے باین الفاظ روایت کیا ہے کہ یوں کہا جاتا تھا کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسے حضر میں افطار کرنا اور ایک روایت میں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا جیسے حضر میں افطار کرنے والا (حافظ) منذری فرماتے ہیں کہ صحابی کا یہ کہنا کہ ایسا کہا جاتا تھا کیا مرفوع کے حکم میں ہے یا موقوف ہو اسکے متعلق محدثین واصولیین میں اختلاف مشہور ہے جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جب صحابی اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرف نسبت نہ کرے تو موقوف ہوگا واللہ اعلم۔

۹۲

(۸) ابو طعمہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر کے پاس تھا ایک شخص آکر کہنے لگا کہ اے ابو عبدالرحمٰن[ع] مجھے سفر میں روزہ رکھنے کی قوت اور طاقت ہے (تو کیا مجھے جائز ہو کہ میں سفر میں روزہ رکھ لیا کروں) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت (و سہولت) کو قبول نہ کرے اسپر عرفہ کے پہاڑوں کی برابر گناہ ہوگا اسکو امام احمد نے اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور ہمارے شیخ حافظ ابوالحسنؒ فرماتے تھے کہ امام احمد کی سند حسن ہو اور امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے واللہ اعلم۔

(۹) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رخصتوں (اور سہولتوں) کے اختیار کرنے کو ایسا ہی پسند فرماتے ہیں جیسا معصیت کے ارتکاب سے نفرت فرماتے ہیں اسکو امام احمد نے سند صحیح سے اور

[ع] یہ عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے ۱۲

باقی آئندہ

بلکہ وہ آہستہ آہستہ اسکو آگے بڑھاتا ہے۔ اور جو لوگ اناڑی ہیں اور اصلاح کرنے کے طریقہ سے ناواقف ہیں وہ ایک دم میں بھر دینا چاہتے ہیں۔ ایسے پیروں کو عام لوگ بہت بزرگ سمجھتے ہیں حالانکہ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے رشتے اس سے چھوٹ جاتے ہیں۔ نہ بیوی کے کام کا رہتا ہے نہ بچوں کے اور یہ کمال نہیں بلکہ نقصان ہے۔ دین کا کام آپس میں ملانا ہے نہ کہ جدائی کرنا۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں عام طور پر فرماتے ہیں وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ یعنی وہ کاٹتے ہیں ان رشتوں اور تعلقوں کو جن کے ملانے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ افسوس آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں دیکھئے اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے بیوی تک کو نہیں پوچھتے۔ ہر وقت خدا کے عشق میں ڈوبے رہتے ہیں۔ صاحبو کیا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خدا تعالیٰ کے عشق میں زیادہ ہو سکتا ہے کبھی نہیں۔ پھر دیکھ لیجئے حضور کی کیا حالت تھی۔ آپ بیویوں کے حق بھی ادا فرماتے تھے اور اولاد کے حق بھی ادا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن اور امام حسین میں سے ایک کو پیار کر رہے تھے۔ اور ایک نجدی رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی کبھی پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل ہی میں سے رحم نکال لیا تو میں اسکو کیا کروں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جو بچوں پر رحم اور بڑوں کی تعظیم نکرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس واقعہ سے حضور کی حالت پورے طور پر معلوم ہو گئی ہوگی۔ سو نرا جوش اور مستی اور رشتہ ناتے کا چھوڑ دینا بزرگی نہیں ہو سکتا۔ اگر اسی کا نام بزرگی ہے تو شراب کا نشہ اور جنون کی حالت بھی بزرگی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں یہ بات خوب حاصل ہو جاتی ہے۔ صاحبو بزرگی کی پہچان یہ ہے کہ جتنا زیادہ بزرگ ہوگا اوسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی حالت زیادہ ملتی جلتی ہوگی۔ اور آپ کی سنت کا زیادہ پابند ہوگا۔ کیونکہ فقیری بھی رسول ہی سے نکلی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ مولویوں کے پاس نہیں جاتے۔ اس لئے بہت سی غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ بزرگی کی ایک پہچان

یہ بھی اپنے دل سے گھڑ رکھی ہے کہ جو شخص آنکھ ملتے ہی بیہوش کر دے اٹھا کر زمین پر
پٹک دے وہ بڑا بزرگ ہے۔ کس قدر بیہودہ بات ہے کہ اگر یہ بزرگی ہے تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو تو ضرور اسکو برتنا چاہئے تھا پھر کیا وجہ کہ جب کافروں نے آپؐ کو قتل کرنا چاہا
تو آپؐ اس کے انتظار میں رہے کہ یہ لوگ ذرا غافل ہو جائیں تو میں نکلکر جاؤں۔ آپؐ نے
ایک ہی نگاہ میں کیوں سب کو بیہوش نہ کر دیا۔ پھر جب مدینہ کو تشریف لیچلے تو حضرت
ابو بکر صدیقؓ چاروں طرف دیکھتے ہوئے چلتے تھے۔ جب سراقہ سامنے آگیا جو آپؐ کی
تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا تو حضرت صدیقؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ سراقہ چلا آرہا ہے۔
آپؐ نے اسوقت بھی خدا تعالیٰ سے دعا ہی فرمائی کہ اے اللہ ہمکو اس کے شر سے بچا۔
چنانچہ دعا کرتے ہی پیٹ تک اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا کہ شاید آپ نے
میرے لئے بد دعا کی ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپؐ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ
مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ قریش کو آپؐ کا پتہ
نہ دوں گا۔ سو آپؐ نے دعا فرمائی اور اس کا گھوڑا زمین سے نکل آیا۔ پھر اس نے اپنا
وعدہ پورا کیا کہ راستہ میں جو آپؐ کی تلاش کے لئے آتا ہوا ملا اسکو لوٹا دیا۔ اور آپؐ کا
پتہ کسی کو نہ دیا۔ ف اس واقعہ سے آج کل کے لوگوں کو سبق لینا چاہئے کہ اس زمانہ کے
کافروں میں بھی عہد و پیمان کا پاس و لحاظ تھا آج کل کی طرح پولیٹکل اور سیاسی چالیں
نہ تھیں بلکہ آج سے چند روز پہلے تک بھی یہ خوبی اکثر لوگوں میں موجود تھی مگر افسوس
آج بالکل اس کا پتہ نہیں اور خاصکر مسلمانوں کی حالت تو اسوقت کہنے کے قابل نہیں
دن میں سینکڑوں جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ بیسیوں مکر کرتے ہیں اور اس سے بھی
زیادہ رنج کی بات یہ ہے کہ جو دیندار کہلاتے ہیں وہ بھی اس حالت سے پاک نہیں
صاحبو پہلے لوگ اس قدر سیدھے سادے بھولے ہوتے تھے کہ انکو کسی قسم کی چالاکی
آتی ہی نہ تھی میرے ایک رشتہ کے بزرگ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد زمیندار تھے
ایک مرتبہ کاشتکار اناج لایا ان زمیندار نے پوچھا کہ یہ کس قدر ہے۔ کاشتکار نے
نوے من بتلایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے تو اسی من ٹھیرا تھا۔ کاشتکار نے کہا کہ نہیں جناب

۱۸

پہلے زمانہ میں سچائی کی صفت عام طور پر تھی

نوے من ڈھیر اتھا بہت دیر تک اس میں جھگڑا رہا۔ آخران زمیندار کے بیٹے نے بہت سی کنکریاں جمع کر کے ایک ڈھیر نوے کنکریوں کا دوسرا اسّی کنکریوں کا لگایا۔ اوران زمیندار سے گنوا کر پوچھا کہ یہ اسّی زیادہ ہیں یا نوے۔ انہوں نے نوے کو زیادہ بتلایا تو انکے بیٹے نے کہا کہ کاشتکار اتنے من دینا چاہتا ہے جس قدر یہ زیادہ کنکریاں ہیں تب ان دونوں کا جھگڑا ختم ہوا۔ سبحان اللہ کیسا اچھا وقت تھا کہ کافروں میں بھی چالبازی نہ تھی یہی وجہ تھی کہ سراقہ نے جو عہد آپ سے کیا تھا اسکو پورا کیا اور جو شخص اسکو راستہ میں ملتا گیا اس سے کہتا گیا کہ میں بہت دور تک دیکھ آیا ہوں ادہر کہیں نہیں ملے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر وعافیت اور امن وامان سے مدینے پہونچگئے۔ تو دیکھیے حضور نے سراقہ کے ساتھ یہ نہیں کیا کہ اسکو ایک نظر میں اڑا دیتے یا گرا دیتے بلکہ خدا تعالی سے دعا فرمائی اور حضرت ابو بکر صدیق رضہ کی پریشانی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ خیال ذرا بھی نہ تھا کہ حضور نظر سے بے ہوش کر دینگے۔ ورنہ آپ کبھی پریشان نہ ہوتے بلکہ بے فکر رہتے کہ حضور ایک نظر بھی کرینگے تو یہ فورًا لوٹ پوٹ ہو جائیگا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ ہاں نظر اور توجہ سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ کام پر لگا دیا جائے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے سنا ہے کہ آپ بڑے امیر زادہ تھے۔ اور حالت آپ کی یہ تھی کہ آپ وحشیوں کی طرح جنگلوں میں پھرا کرتے تھے ان کے والدان کو نکما اور بیکار سمجھا کرتے تھے۔ حضرت نجم الدین کبرے کو الہام[1] ہوا کہ فلاں جگہ فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اسکی جا کر اصلاح کرو حضرت نجم الدین کبرے تشریف لائے حافظ شیرازی کے والد نے بڑی آؤبھگت کے ساتھ ٹھہرایا اور عرض کیا کہ کیسے تکلیف کی انہوں نے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو۔ انہوں نے حافظ کے سوائے سب بیٹوں کو بلا کر آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کہ کیا ان کے سوا کوئی اور لڑکا نہیں۔ حافظ کے والد حافظ کو بالکل بیکار سمجھتے تھے۔ اس لئے جواب دیا کہ اور کوئی نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھکو کشف سے

19

[1] الہام یہ ہے کہ دل پر خدا کی طرف سے کوئی بات پڑ جائے۔ ۱۲

ایک لڑکا تمہارا اور معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں نظر نہیں آتا۔ تب انہوں نے کہا کہ ایک اور ہے۔ مگر نہایت آوارہ وحشیوں کی طرح جنگلوں میں پھرتا ہے۔ حضرت نجم الدین نے فرمایا کہ ہاں اسی کی ضرورت ہے۔ حافظ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اس دیوانے سے حضرت کو کونسا کام ہے مگر تلاش کرایا۔ بڑی مشکل سے حافظ ملے۔ وحشی خاک میں اٹے ہوئے اور ان کو حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر کیا۔ حافظ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار قدموں سے لپٹ گئے اور کہنے لگے کہ حضرت آپ کی نظر سے تو خاک بھی کیمیا بنجائے مجھ غریب کے حال پر بھی ایک نظر فرمایئے۔ آپ نے اونہیں سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ جاؤ میں نے تم پر نظر کی۔ حضرت نجم الدین کبرا کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ آپ بہت بڑے شخص ہیں۔ آپ کا انتقال بھی اس طرح ہوا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے کسی کو شعر پڑھتے ہوئے سنا جس کا مطلب یہ تھا کہ جان دے جان دے جان دے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس محبوب جان مانگ رہا ہے اور کوئی نہیں سنتا پھر فرمایا کہ میں نے جان دی۔ میں نے جان دی۔ یہ کہتے کہتے آپ کا انتقال ہو گیا۔ غرض کہ حافظ کو سینے سے لگا کر انہوں نے فیض دیا اور اپنا نظر کردہ کیا مگر نری نظر وہ کافی نہیں ہوئی بلکہ اس کے ساتھ محنت اور مجاہدہ کی بھی ضرورت ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ قابلیت اچھی ہونے کی وجہ سے زیادہ محنت کی ضرورت نہوئی ہو کیونکہ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ جن کی لیاقت اور قابلیت عمدہ ہوتی ہے انکو تھوڑے کام میں بہت کچھ نفع ہو جاتا ہے۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رح کے پاس ایک شخص آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت لیکر چلا گیا۔ آپ کے دوسرے مرید اسکو دیکھکر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ حضرت ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے۔ آپنے ان لوگوں کے انداز سے اس وسوسہ کو تاڑ لیا اور ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تر اور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہو گئیں تو فرمایا کہ گیلی لکڑیوں میں آگ لگا دو۔ سب نے بہت کوشش کی لیکن ان میں آگ نہ لگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان سوکھی لکڑیوں میں آگ لگا دو۔ ان میں فوراً آگ سلگ اٹھی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لکڑیاں اس قدر جلد کیوں سلگ اٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں

۲۰

[illegible] سلطان الاولیاء کی حکایت

آگ کیوں نہیں لگی ان لوگوں نے کہا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں۔ گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی۔ آپ نے فرمایا کہ ظالمو تم گیلی لکڑیاں ہو کر میری شکایت کرتے ہو۔ اور اس سوکھی لکڑی کے جل اٹھنے پر تعجب کرتے ہو۔ وہ سوختہ ہو کر آیا تھا صرف ایک پھونک کی ضرورت تھی سو ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو کہ رات دن دہونکتا ہوں مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے سو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے۔ غرض بعض دل جلے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو تھوڑے ہی کام میں سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہی نظر میں وہ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں لیکن آگے یا پیچھے محنت و مجاہدہ کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑتا ہے اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ورنہ ان پر کسی کا زور نہیں ہے لیکن ان کی عادت ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ جو ادہر ذرا توجہ کرتا ہے وہ اسکی طرف بہت توجہ کرتے ہیں۔ خود ذرا سا کام کرتا ہے وہ اسکو بہت کچھ دیتے ہیں تو صاحبو یہ بات کچھ کم ہے کہ کام پیسہ کا کیا جائے اور ملے اشرفی۔ ایک شاعر[1] اسی کی نسبت کہتا ہے کہ ایسا بازار کہاں ملے گا کہ دیا تو ایک پھول اور اس کے عوض مل گیا ایک باغ۔ دوسرا[2] کہتا ہے کہ وہ آدہی جان لیکر سینکڑوں جانیں دیتے ہیں۔ پھر اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔ غرض جو تدبیر کرنے کی ہے لوگ اسے نہیں کرتے صرف ادہوری تدبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ تدبیر پوری کرنی چاہئے تب فائدہ ہوتا ہے۔ اب میں وعظ کا خلاصہ کرتا ہوں اور آخرت سے غفلت کی مذمت۔ ایک مثال سے سمجھاتا ہوں کہ دیکھئے جب کسی سفر کا قصد ہوتا ہے تو اس کے لئے کس قدر سامان کرتے ہو کہ کتنے دن پہلے سے دھوبی کو حکم کرتے ہو کہ کپڑے جلدی دینا۔ ناشتہ کا انتظام کرتے ہو اور طرح طرح کا سامان کرتے ہو۔ یہ نہیں کیا جاتا کہ خاص وقت پر سارا سامان کیا جائے بلکہ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو بیوقوف بنائے جاتے ہیں۔ اور خود بھی اپنے کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ کیوں صاحب جب اس چھوٹے سے سفر کے لئے اتنے پہلے سامان تیار کیا جاتا ہے تو یہ موت کا اتنا بڑا سفر اس کے لئے کتنے پہلے اور کتنے بڑے سامان کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ وہ سفر ہے

ف: کوشش کرنے کے بعد جو کچھ ملتا ہے وہ خدا کا فضل ہے

۲۱

ف: وعظ کا خلاصہ

[1] شعر یہ ہے۔ خود کہ یابد ایں چنیں بازار را ٭ کہ بیک گل مے خری گلزار را۔ ۱۲

[2] شعر یہ ہے۔ نیم جاں بستاند و صد جاں دہد ٭ انچہ در وہمت نیاید آں دہد۔ ۱۲

کہ اس سے پھر کبھی لوٹنا ہی نہو گا۔ پھر اس کے لئے کیا سامان کیا۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔
ایک وہ جو خدا کی عبادت میں سرگرم ہیں۔ دوسرے وہ جو گناہوں میں پھنسے ہیں۔ پہلی قسم کے
لوگوں کے لئے یہ سفر رغبت اور شوق کا سفر ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے یہ سفر دہشت
اور خوف کا سفر ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں دنیا کے سفروں میں بھی ہوتی ہیں چنانچہ دیکھ
لیجئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے ہاں مہمان کی حیثیت سے بلایا جائے تو یہ سفر اس کے لئے رغبت
اور شوق کا ہوگا اس کے لئے کیا کچھ سامان وہ پہلے سے کرے گا۔ اپنے پاس نہو گا تو دوسروں
سے مانگ کر قرض لیکر چیزیں جمع کرے گا۔ اور ہر طرح سے درست ہو کر سفر کا ارادہ کریگا
اسی طرح اگر کسی شخص نے چوری کی ہو اور گورنمنٹ کی طرف سے اس کے نام سمن
آگیا ہو تو غور کیجئے کہ جانے سے پہلے وہ کیا کیا سامان کرے گا۔ اپنی صفائی کے گواہ
جمع کرے گا۔ وکیلوں سے مل کر مشورہ کرے گا۔ یار دوستوں سے رائے لے گا
اور بھی جو اس سے ہو سکے گا انتظام کرے گا۔ غرض دونوں قسموں کے سفر میں طرح
طرح کے سامان کئے جاتے ہیں۔ تو کیا وجہ کہ جب یہی دونوں صورتیں آخرت کے سفر میں
بھی ہیں اس میں کیوں سامان نہیں کیا جاتا اور غفلت برتی جاتی ہے۔ صاحبو یہ تو
یقینی ہے کہ سفر آخرت کا آنے والا ہے۔ پس اگر ہم مطیع اور تابعدار ہیں تو یہ سفر ہمارے
لئے رغبت اور شوق کا سفر ہوگا۔ ورنہ دہشت اور خوف کا سفر ہوگا سو بتلایئے کہ آپ نے
رغبت کے کیا سامان جمع کئے ہیں اور چھٹکارے کی کونسی صورتیں پیدا کی ہیں۔ کونسی
عبادت کی ہے کتنے حق دوسروں کے ادا کر دیئے ہیں۔ بلکہ اگر غور سے دیکھو تو
آخرت کا سفر ہر مسلمان کے لئے رغبت اور دہشت دونوں پہلو لئے ہوئے ہے۔
کیونکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ نہ خدا تعالی پر ناز ہو سکتا ہے۔ اور نہ
ان سے مایوس ہونا چاہیے۔ تو مسلمانوں کی اصلی حالت یہ ہونی چاہیے کہ خوف اور
شوق ملا ہوا ہو۔ دیکھو نبیوں کی حالت خدا تعالی بیان فرماتے ہیں کہ يَدْعُونَنَا
رَغَبًا وَّرَهَبًا ترجمہ۔ کہ وہ پکارتے ہیں ہمکو شوق اور خوف سے۔ یہ دونوں باتیں
اُن میں جمع ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے میدان میں یہ پکارا

۲۲

خوف اور امید دونوں کی ضرورت ہے

جائے کہ صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو مجھے یہ امید ہو گی کہ وہ شخص میں ہوں اور اگر یہ پکارا جائے کہ صرف ایک شخص دوزخ میں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہو گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں غرض مسلمان کو ہر وقت شوق بھی ہونا چاہئے اور خوف بھی۔ اور جب یہ ہے تو ہر وقت توبہ استغفار بھی کرتے رہنا چاہئے اور دین کے کاموں میں بھی پوری کوشش ہونی چاہئے۔ اور صاحبو ایک آدہ وقت کام کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اسکی ہے کہ روز کا دھندا ہو جائے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اسکو سوچو کہ کل کے لئے کیا کر رکھا ہے۔ ف مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ بیٹھو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آخرت کی دھن لگ جاوے۔ اگر روزانہ آدہ گھنٹہ بھی اس فکر کے لئے نکال لیا جائے تو پھر خدا نے چاہا تو بہت کم گناہ ہونگے اور دنیا کی محبت جاتی رہے گی۔ پھر یہ حالت ہو گی کہ تم دنیا کے سب کام کرو گے لیکن ان کاموں میں جی نہ لگے گا۔ ف اور اس کے بعد دو چیزوں کی اور ضرورت ہو گی ایک تو ضرورت کے لائق دین کا علم حاصل کرنے کی سو خدا کا شکر ہے کہ اب اس کا سامان بہت میسر ہو گیا ہے اور ہر شخص کو ہر جگہ رہکر اس کا سیکھنا آسان ہے اس کے لئے یہ کرو کہ اردو کی کوئی ایسی کتاب لیکر جس میں ضرورت کی سب باتیں ہوں کسی مولوی سے پڑھنا شروع کر دو۔ یا اگر پڑھنے کا موقع نہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کر دو اور ہمیشہ اس کا شغل رکھو۔ دوسرے کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر لو اور ان کے پاس آتے جاتے رہو۔ مگر تعلق دین کے لئے پیدا کرو۔ دنیا کے کاموں کے لئے اللہ والوں سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہئے۔ ہاں اگر کبھی اتفاقیہ دنیا کا کام بھی ان سے نکلجائے تو مضائقہ نہیں لیکن صرف دنیا ہی کو مقصود بنا کر ان سے راہ و رسم نہ پیدا کرنا چاہئے جیسا کہ بعض ف لوگ اللہ والوں سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے ان کے ذریعے سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعض لوگ تعویذ گنڈوں کے لئے ملتے ہیں مگر سمجھ لو کہ اللہ والوں سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کھرپا بنانے یا لوہار سے

زیور بنانے کی فرمائش کیجائے بعض لوگ بزرگوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی خدا جانے یہ لوگ بزرگوں کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ انکا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا بتلا دیگا تو اس کام میں ضرور نفع ہوگا یا خدا تعالیٰ کا رازدار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کرکے بتلادیں گے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک شخص کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کو تو سب خبر ہو گئی ہوگی۔ صاحبو اس دربار میں نبیوں کا پتہ بھی پانی ہوتا ہے دوسروں کی تو کیا مجال ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے یاد نہیں رہا کسی دنیا کے کام کی فرمائش کی میں نے کہا کہ یہ کام مجھے نہیں آتا کہنے لگے کہ اللہ والوں کو سب آتا ہے میں نے کہا کہ اگر سب کچھ آتا ہے تو کل ایک چارپائی بھی لے آنا کہ اسکو بن دیجئے۔ غرض مولویوں سے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم احکام پوچھئے اور بزرگوں سے اللہ کا نام پوچھئے۔ دنیا کی فرمائش کسی سے نہ کیجئے۔ ہاں دنیا کے لئے دعا کرانے کا مضائقہ نہیں۔ دعا کے متعلق بھی یہ نکرو کہ صرف ان ہی پر ڈالدو۔ بلکہ تم خود بھی اپنے لئے دعا کرو۔ اور بزرگوں سے بھی دعا کراؤ۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ خود دعا کروں۔ میں نے کہا کہ کلمہ بھی پڑھتے ہو یا نہیں کہنے لگے کہ ہاں پڑھتا ہوں میں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ تم کلمہ پڑھنے کے قابل تو ہو مگر دعا کرنے کے قابل نہیں۔ یہ شیطان کی شرارت ہے کہ دل میں یوں ڈالتا ہے کہ اپنے آپ کو دعا کے قابل نہ سمجھنا تواضع ہے۔ ایک شخص نے یہ بھی فرمائش کی کہ تم ہی استخارہ بھی دیکھ دو غرض اپنے اوپر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سب کچھ دوسرے ہی کر دیں۔ مگر کھانے میں یہ کبھی نہ سوجھا کہ بزرگوں سے کہتے کہ آپ ہی کھالیا کیجئے ہمارے کھانے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ کام دین کا خود کرو اور بزرگوں سے اس میں اصلاح اور مشورہ لیتے رہو اور عمر بھر اسی تدبیر میں لگے رہو یہ نکرو کہ چار دن کیا اور چھوڑ دیا۔ کیونکہ ہم کو تو جنم روگ لگا ہے۔ اس کے لئے عمر بھر کی ضرورت ہے۔ یہ ضروری بیان اس آیت کے متعلق تھا۔ میں پھر آیت کا ترجمہ دوبارہ کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو اپنی فکر میں لگو کیونکہ تمکو خدا تعالیٰ کی طرف جانا ہے وہ تمکو بتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے تھے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور یہ پھر کہے دیتا ہوں کہ یہ سفر ضرور ہونے والا ہے اس لئے آج ہی سے اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اب خدا سے دعا کیجئے کہ وہ کام کرنے کی توفیق دے۔ فقط۔

(حاشیہ: بزرگوں سے خود بھی دعا کراؤ ۲۴)

(حاشیہ: آخرت کی فکر ضروری ہے)

سلسلہ تسہیل المواعظ کی تیسری جلد کا پہلا وعظ ختم ہوا۔ اب دوسرا وعظ ذی الحجہ میں شروع ہوگا۔

ولوقیل اعتضاد مکان استشہاد کان اولی ۱۲) واللہ اعلم

(ص۲۴۲،۲۵۲) وقلت والحدیثان اللذان اشار الیہما الشیخ ہما ہذان فالاول

ما عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد

کتب مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنۃ قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل علی

کتابنا وندع العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق اما من کان من اہل

السعادۃ فسییسر لعمل السعادۃ واما من کان من اہل الشقاوۃ فسییسر

لعمل الشقاوۃ ثم قرأ فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی الآیۃ متفق علیہ

(مشکوۃ باب القدر) والحدیث الثانی ما عن عمران بن حصین ان رجلین

من مزینۃ قال یا رسول اللہ ارأیت ما یعمل الناس ویکدحون فیہ اشیٔ قضی

علیہم ومضی فیہم من قدر سبق او فیما یستقبلون بہ مما اتاہم بہ نبیہم

وثبتت الحجۃ علیہم فقال لا بل شیٔ قضی علیہم ومضی فیہم وتصدیق

ذلک فی کتاب اللہ عزوجل ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقوٰہا رواہ مسلم 37

(مشکوۃ کتاب القدر) فثبت بہذا التقریر کون ذلک الطریق لہ اصل واما کون

ابطال المعنی الظاہر باطلا ففی روح المعانی تحت آیۃ انزل من السماء فسالت

اودیۃ الخ من سورۃ الرعد ما نصہ قال ابن عطیۃ روی عن ابن عباس انہ

قال فی قولہ تعالیٰ انزل من السماء ماء الخ یرید بالماء الشرع والدین وبالاودیۃ

القلوب ومعنے سیلانہا بقدرہا اخذ النبیل بحظہ والبلید بحظہ ثم

قال وہذا قول لا یصح واللہ تعالیٰ اعلم عن ابن عباس لانہ ینحو الی قول

اصحاب الرموز وقد تمسک بہ الغزالی واہل ذلک الطریق وفیہ اخراج

اللفظ عن مفہوم کلام العرب بغیر داع الی ذلک وان صح ذلک عن ابن عباس

فیقال فیہ انما قصدؓ ان قولہ تعالیٰ کذلک یضرب اللہ الحق والباطل معناہ

الحق یتقرر فی القلوب الباطل الذی یعتریہا آہ ونحن نقول ان صح ذلک

فمقصود الحبر منہ الاشارۃ وان کان یرید غیر ظاہر فیہ وحجۃ الاسلام

الغزالی علیہ الرحمۃ اشد الناس علی اھل الرموز القائلین بان الظاھر لیس مراد اللہ
تعالیٰ کما لا یخفی علی متتبعی کلامہ اھ ولقد اتی الامام الغزالی بالقول الصراح
والفصل البواح فی المسئلۃ فی کتابہ مشکوۃ الانوار حیث قال ولا تظنن من ھذہ
الانموذج وطریق ضرب المثال رخصۃ منی فی رفع الظواھر و اعتقادا فی ابطالہا
حتی اقول مثلا لم یکن مع موسیٰ علیہ السلام نعلان ولم یسمع الخطاب بقولہ
اخلع نعلیک حاشا للہ فان ابطال الظواھر ای الباطنیۃ الذین نظروا
بالعین العوراء الی احد العالمین ولم یعرفوا الموازنۃ بینہما ولم یفہموا
وجھہ کما ان ابطال الاسرار مذھب الحشویۃ فالذی یجرد الظاھر حشوی
والذی یجرد الباطن باطنی والذی یجمع بینہما کامل ولذلک قال صلی اللہ
علیہ وسلم ظاھر و باطن وحد و مطلع وربما نقل ھذا عن علیؓ موقوفا بل
اقول فہم موسیٰ علیہ السلام من خلع النعلین اطراح الکونین فامتثل الامر
ظاھرا بخلع نعلیہ باطراح العالمین فہذا ھو الاعتبار ای العبور من الشئ
الی غیرہ ومن الظاھر الی السر وفرق بین من یسمع قول رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب فیقتنی الکلب فی بیتہ ویقول
لیس الظاھر مرادا بل المراد تخلیۃ بیت القلب عن کلب الغضب لانہ یمنع
المعرفۃ التی ھی من انوار الملئکۃ اذ الغضب غول العقل وبین من یمتثل الامر
فی الظاھر ثم یقول الکلب لیس کلبا لصورتہ بل لمعناہ وھی السبعیۃ والضراوۃ
فاذا کان حفظ البیت الذی ھو القلب مقر الجوھر الحقیقی الخاص عن الکلبیۃ
اولی فانا اجمع بین الظاھر و السر جمیعا فہذا ھو الکامل و ھو المعنی بقولہم
الکامل من لا یطفی نور معرفتہ نور ورعہ ولذلک تری الکامل لا تسمح نفسہ
بترک شئ من حدود الشرع مع کمال البصیرۃ اھ (تحفۃ الاخوان فی التفرقۃ
بین الکفر والایمان صـ۱۰) و قریب منہ فی روح المعانی واما کلام السادۃ
الصوفیۃ من القرآن فہو من باب الاشارات الی دقائق تنکشف علی ارباب

۳۸

السلوك ويمكن التطبيق بينهما وبين الظواهر المرادة وذلك من كمال الايمان ومحض العرفان لانه لو اعتقد وان الظاهر غير مراد اصلا وانما المراد الباطن فقط اذ ذاك اعتقاد الباطنية الملاحدة توصلوا الى نفي الشريعة بالكلية وحاشا سادتنا من ذلك كيف وقد حضوا على حفظ التفسير الظاهر وقالوا لا بد منه اولا اذ لا يطمع في الوصول الى الباطن قبل احكام الظاهر ومن ادعى فهم اسرار القران قبل احكام التفسير الظاهر فهو كمن ادعى البلوغ الى صدر البيت قبل ان يجاوز الباب اھ (ج ا ص ٦) وقد اتيت بهذا التقرير مع زيادة تحقيق حديث ان لكل اية ظهرا وبطنا مما لعلك لم تسمع من غيري في الجلد الاول من كليد مثنوی (ص ۳۰) ان اشتقت اليه فاطلع عليه وبمجموع ما نقلنا ظهر بمجموع ما ادعينا سابقا من اعتبار فن الاعتبار مع بقاء الظاهر على ما هو عليه۔

۳۹

# خطبہ احکام الائتلاف

بعد الحمد والصلوۃ مقصود اس تحریر سے ایک غلطی عظیم کا رفع کرنا ہے جس میں قریب قریب عام ابتلا ہو رہا ہے الا ما شاء اللہ اور وہ غلطی یہ ہے کہ عام طور پر علی الاطلاق اتفاق کو مطلوب اور اختلاف کو مذموم سمجھا جاتا ہے بالخصوص اگر علماء میں کسی قسم کا بھی اختلاف ہو جاوے اوس کے سبب ان پر سخت طعن کیا جاتا ہے اور اس مدعا پر دلائل مطلقہ سے گو وہ کسی دلیل مستقل سے مقید ہی ہوں تقریراً و تحریراً استدلال کیا جاتا ہے اس خیال کے غلط ہونے پر احقر وقتاً فوقتاً تقریر و تحریر سے متنبہ بھی کرتا رہا ہے لیکن کسی داعی قوی کے پیش نہ آنے کے سبب سے مستقل تنبیہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ امسال بعض اسباب خاصہ کے سبب بعض مراکز تعلیمیہ کی جماعت کے آحاد میں کچھ اختلاف پیش آیا اور متعدد دو شنداد میں کسیقدر معمول سے بڑھ بھی گیا اور اس کے متعلق بعض ایسے صاحبوں نے جن کا یہ منصب بھی نہ تھا بزعم خود خیر خواہی سے معترضانہ خیالات ظاہر کئے اور انمیں سے جنھوں نے مجھ سے خطاب خاص کیا تھا

اُن کو اصول صحیحہ کے موافق جواب بھی دیا گیا لیکن غالباً بوجہ اجمال اون جوابوں کا اُن اُصُول پر انطباق واضح نہ تھا اِس لئے توضیح کی بھی ضرورت تھی نیز آیندہ کے لئے ایسے شبہات کا انسداد بھی ضروری تھا یہ واقعہ اور یہ دو ضرورتیں داعی قوی ہوگئیں کہ تحقیق مسئلہ اتفاق و اختلاف کی کسی قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ قلمبند کر دی جائے تاکہ شبہات واقعہ مفقود اور شبہات متوقعہ مسدود ہو جاویں اور نیز واعظین و مقررین و مضمون نویس بھی اپنی تقریرات و تحریرات میں ان حدود کی رعایت رکھ سکیں۔ ولقبتہ باحکام الائتلاف فی احکام الاختلاف[ف] واللہ ولی الاعانہ والیہ التضرع والاستکانہ۔

**مقدمہ۔** جاننا چاہیئے کہ اختلاف بتقسیم اولی دو قسم پر ہے ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی اور اختلاف کے اقسام سے اتفاق کے اقسام بھی معلوم ہو جاوینگے اور چونکہ محل کلام اختلاف ہی کو سمجھا جاتا ہے اس لئے موضوع تقسیم کا اسی کو قرار دیا گیا تو اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی و غیر حقیقی) حقیقی سے مراد یہ ہے کہ دو حکموں میں ایسا تعارض ہو کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہو سکیں اگر ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل حلال یا حسن ہو دوسرا اسی فعل کو کہے کہ یہ حرام یا قبیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ پھر یہ تعارض خواہ درجہ تناقض میں ہو یعنی جیسے اُن دونوں حکموں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اسی طرح دونوں کا ارتفاع بھی نہیں ہو سکتا جیسا مثال مذکور میں کہ جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ نہ واقع میں حلال ہو اور نہ واقع میں حرام ہو اور خواہ درجہ تضاد میں ہو یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہو سکتا لیکن دونوں کا ارتفاع ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے دوسرا کہے کہ مستحب ہے سو ظاہر ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ مباح بھی ہو اور مستحب بھی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نہ مباح ہو نہ مستحب بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔ اور غیر حقیقی سے مراد یہ ہے کہ ان دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں حکم صحیح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک پتھر سفید ہے ایک سیاہ ہے تو دونوں مختلف تو ہیں لیکن دونوں حکم صحت میں مجتمع ہیں کیونکہ

[ف] اس تلقیب میں اشارہ ہو کہ جب اختلاف کے صحیح احکام معلوم ہونگے انکے امتثال کے بعد جو اتفاق ہوگا وہ نہایت مستحکم ہوگا کیونکہ وہی مطلوب شرعی ہوگا جو مصلحت ہی مصلحت ہے اور ایسے امر کا استحکام یقینی ہے مزید تحقیق اسکی خاتمہ رسالہ کے خاتمہ میں ہے ۱۲ منہ

دونوں رنگ کا محل مختلف ہے ایک کو سفید کہنے سے دوسرے کے سیاہ ہونیکی نفی نہیں ہوتی یا ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانہ میں حرام ہو گئی تو یہ دونوں حکم صحیح ہیں اور یہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے محض صورت اختلاف ہے اور حقیقت اسکی تعدد ہے پھر اختلاف حقیقی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الامر الدنیوی ایک اختلاف فی الامر الدینی پھر اختلاف فی الامر الدنیوی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف عن منشاء صحیح اور ایک اختلاف لاعن منشاء صحیح اور اختلاف فی الامر الدینی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الفروع ایک اختلاف فی الاصول پھر اختلاف فی الفروع کی دو قسمیں ہیں اختلاف عن دلیل اور اختلاف لاعن دلیل اور اختلاف فی الاصول کی دو قسمیں ہیں اختلاف فی الکفر والایمان اور اختلاف فی البدعۃ والسنۃ یہ سب اقسام اختلاف حقیقی کے تھے اور اختلاف غیر حقیقی کی دو قسمیں ہیں ایک بفعل العبد دوسرا بجعل الحق پھر اختلاف بجعل الحق کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف طبائع دوسرا اختلاف شرائع پھر اختلاف شرائع کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الشریعۃ الواحدۃ ایک اختلاف فی الشرائع المتعددہ مجموعہ ان سب اقسام کا دس قسمیں ہیں چھ اختلاف حقیقی کی اور چار اختلاف غیر حقیقی کی یعنی قسم اول اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی عن منشاء صحیح قسم دوم اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی لاعن منشاء صحیح قسم سوم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع عن دلیل قسم چہارم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع لاعن دلیل قسم پنجم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول کفراً واسلاماً قسم ششم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول بدعۃً وسنۃً قسم ہفتم اختلاف غیر حقیقی بفعل العبد قسم ہشتم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق باختلاف الطبائع قسم نہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشریعۃ الواحدۃ قسم دہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعددہ

۴۱

(وھذہ صورۃ الضبط بھیئۃ الجدول ذات الشعب)

## اختلاف

| حقیقی | | | | | | غیر حقیقی | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فی الدنیا | | فی الدین | | | | بفعل العبد | بجعل الحق | | |
| | | فی الفروع | | فی الاصول | | | باختلاف الطبائع | باختلاف الشرائع | |
| عن منشاء صحیح | لاعن منشاء صحیح | عن دلیل | لاعن دلیل | کفراً واسلاماً | بدعۃً وسنۃً | | | فی الشریعۃ الواحدۃ | فی الشرائع المتعددہ |
| قسم اول | قسم ثانی | قسم ثالث | قسم رابع | قسم خامس | قسم سادس | قسم سابع | قسم ثامن | قسم تاسع | قسم عاشر |

اور یہ سب اقسام واقعیہ ہیں ورنہ احتمالات عقلیہ تو اور بہت ہیں۔ مگر چونکہ وہ غیر واقع تھے اس لئے
ان کا ذکر کرنا پھر ان کے وقوع کی نفی کرنا فضول سمجھا۔

# مضمون احکام الایتلاف

جو دلائل مطلوبیت اتفاق کے ہیں وہ مطلق نہیں بلکہ اون کے خاص محال ہیں جیسے دلائل
مطلوبیۃ اختلاف کے بھی خاص محال ہیں ان سب کی تفصیل فصول رسالہ میں مذکور ہوئی ہے
ان دلائل مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ کثیر الدور علی الالسنہ ہے
ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے اوس کا مختصر دفع بطور تتمہ کے ضروری سمجھتا ہوں وہ دلیل
یہ آیت ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم
اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا الآیۃ اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت
میں دو لفظ دیکھ لیتے ہیں ایک جمیعًا کہ اجتماع پر دال ہے دوسرا لا تفرقوا کہ افتراق سے نہی ہے
اور اوسکی قید پر نظر نہیں کرتے اسلئے محل بے محل اسکو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں
یہ ہے وہ غلطی عام اور دفع اس غلطی کا اس قید میں نظر کرنا ہے اور وہ قید اعتصام بحبل اللہ
کی ہے جسکی تفسیر احکام دینیہ کا التزام اعتقادی وعملی ہے تب پر مدلول آیت کی بلحاظ
قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار
کرے کوئی نہ کرے پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع اور منہی عنہ ترک اعتصام ہے
نہ کہ تفرق پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو اس طور سے کہ بعض اعتصام کیا بعض نے نہ کیا
تو اس تفرق سے بچنے کے لئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اعتصام کے لئے تفرق کو گوارا
کریں گے اور اگر ترک اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کر دیا
اور بے دینی پر مجتمع ہو گئے تو اجتماع کے لیے اعتصام کو ترک نہ کریں گے بلکہ اعتصام کے لئے
اجتماع کو ترک کر دیں گے خوب سمجھ لو۔ یہ تو دفع ہے غلطی کا اور اس آیت میں ایک
فائدہ عظیمہ علمیہ وعملیہ متعلقہ اتفاق پر بھی دلالت ہے یعنی اس میں اتفاق و اجتماع

۴۲

مطلب کے حاصل ہونیکا ایک سہل اور کامیاب طریقہ بھی بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ سب ملکر احکام الہٰیہ کا اتباع کرنے لگیں اس سے خود بخود وبلا کسی تدبیر مستقل کے لزوماً اتفاق پیدا ہوجاویگا۔ ورنہ بدون اس کے بڑی سے بڑی تدبیر بھی ناکام ہے اول تو حدوث ہی میں ورنہ بقا میں تو ضرور اور راز اوس کا یہ ہے کہ ایسا اتفاق اغراض پر مبنی ہوگا اور اغراض میں تبدل ہوتا رہتا ہے اوسکی ساتھ اتفاق بھی رخصت ہوجاوے گا اور جو اتفاق احکام الٰہیہ پر مبنی ہوگا چونکہ احکام بدلتے نہیں اسلئے وہ اتفاق بھی باقی رہتا ہے اور اسی تدبیر کے غیر نافع ہونے کی طرف دوسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم یہ مجمل تقریر ہے آیت اعتصام کے دو مدلولوں کی ایک دفع غلطی متعلق اتفاق اور دوسری تعلیم تدبیر اتفاق اور مفصل تقریر مدلول اول کی احقر کے وعظ الاعتصام بحبل اللہ کے ثلث دوم میں جو اسی آیت کے بیان میں ہے اور مدلول ثانی کی وعظ الاتفاق کے ثلث دوم اور ورق اخیر میں جو ایک دوسری آیت کے بیان میں ہے شایع ہوچکی ہے اگر شوق ہو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

۴۴۳

# ملفوظ در تسہیل طریق سلوک ملقب بہ

## السلسبیل لعابری السبیل

من مقالات شریفہ حضرت اشرف العلماء حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب عم فیوضہم العالی ضبط کردہ احقر خواجہ عزیز الحسن عفی عنہ

مرقومہ ۷ محرم ۱۳۴۵ھ

عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مامور بہا سب اختیاری ہیں اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں۔ تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی۔ فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات

لیکن لوگوں کو اس کی جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دارو مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔ عرض کیا گیا۔ کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدابیر اور معالجہ پوچھتا ہے۔ تو اُس سے پھر بھی یہی کہدینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اُسے توفیق ہی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال اختیار پر قادر ہے یا نہیں۔ ضرور قادر ہے ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جب استعمال اختیار پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کرے جب اختیار کا استعمال کرے گا تو کامیابی لازم ہے ناکامیابی کی کوئی صورت ہی نہیں البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے۔ عرض کیا گیا۔ کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اُسکے استعمال ہی کی نوبت نہ آئی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا۔ کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت میں ہوتا یعنے عدم صدور اعمال۔ فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائے گا تب تو وہی بتایا جائیگا جو اصل علاج ہے رہی خود اُس علاج کے استعمال کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جائیگا اسوقت اُس کا جواب دیا جائیگا۔ عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے۔ اس استفسار پر فرمایا کہ اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں۔ البتہ اس استعمال اختیار میں کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے۔ سو اُس کا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بتکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے۔ رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بہ سہولت ہو جائیگی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اسی لئے کئے جاتے ہیں۔ کہ اختیار اوامر اور اجتناب نواہی میں سہولت پیدا ہو جائے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزیں حاصل ہیں سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا۔ کیونکہ اگر ہمت نہ ہو گی تو عمل ہی نہ ہو گا۔ اور اگر خلوص نہ ہوا تو عمل ناقص ہو۔ اگر ان دو چیزوں کو جمع کر لیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شیخ بھی بس انھیں دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے۔ دفع کلفت اور تحصیل سہولت کا جو یہ طریق ارشاد فرمایا کہ بہ تکلف ہمت اور اختیار سے کام لیتا رہے۔ رفتہ رفتہ سہولت ہونے لگے گی۔ اس کے ضمن میں یہ بھی فرمایا۔ کہ ہر کام شروع میں مشکل ہوتا ہے۔ مگر کرتے کرتے مشق

۴۴

(باقی آئندہ)

حس اسیر عقل باشد اے فلان عقل اسیر روح باشد ہم بدان

یعنی اے شخص حس تو اسیر عقل کی ہوتی ہے اور عقل اسیر روح کی ہوتی ہے۔ اسکو یہی جان لو مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حواس کو عقل کے تابع اور اوسکے محکوم اسلئے بنایا تہا تاکہ وہ ان حواس کو قید اور مغلوب رکہے اور عقل کو روح کا تابع اور محکوم اسلئے بنایا تہا تاکہ وہ اسکو رہا کرکے اور مطلق چہوڑ کر اوس سے کام لے اسلئے کہ اسیر تو اپنے قبضہ میں ہوتا ہے خواہ اوسکو قید رکہو یا رہا کرو تو حواس اس قابل تہے کہ اونکو قید رکہا جاوے اور عقل اس قابل تہی کہ اوسکو رہا کرکے اوس سے کام لیا جاوے۔ مگر دنیا میں پہنسکر نہ تو عقل نے اپنا کام کیا کہ حواس کو قید کرکے رکہتی۔ اور نہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کرکے اوس سے کام لیتی۔ بلکہ عقل نے تو حواس کو مطلق چہوڑ دیا۔ اور اونہوں نے خوب شرارت شروع کردی۔ اور روح نے عقل سے کام نہ لیا لہذا وہ امور غیبیہ جن کا انکشاف اوسوقت ہوتا جبکہ ہر ایک اپنے کام میں لگتا۔ اب نہ ہوئی لیکن اب جبکہ حواس کو مغلوب کر دیا جیساکہ "برگ حس را از درخت" الخ سے معلوم ہوتا ہے تو جب حواس مغلوب ہوگئے تو اب روح نے اپنا کام کیا وہ یہ کہ

۲۴۱

دست بستہ عقل را جان باز کرد کارہائے بستہ را ہم ساز کرد

یعنی روح نے عقل کے بندہے ہوئے ہاتہوں کو کہول دیا اور کارہائے بستہ کا بہی سامان کردیا مطلب یہ کہ عقل کے ہاتھ جو ہوا و ہوس میں بندہے ہوئے تہے جب روح نے اپنا کام کیا تو اونکو کہول دیا اور عقل کو رہا کردیا۔ اور جو امور کہ پہلے غائب تہے اب اونکو ظاہر کردیا۔

حسہا و اندیشہ بر آبِ صفا ہمچو خس بگرفتہ روئے آب را

یعنی حواس اور اندیشوں نے آبِ صفا پر خس کیطرح روئے آب کو چھپا رکھا تہا۔ حواس سے مراد حواس ظاہری اور اندیشہ سے مراد حواس باطنہ آب صفا سے مراد عقل نیز روئے آب سے مراد بھی عقل۔ مطلب یہ کہ قبل اسکے کہ روح اپنا کام کرے حواس اور اندیشوں نے عقل کو مغلوب کر رکھا تہا اور جسطرح کہ سطح آب پر خس و خاشاک آکر اوسکو چھپا دیتے ہیں اسیطرح حواس نے عقل کو مغلوب اور اُس کے کام کو پوشیدہ کر رکہا تہا اور امورِ غیبیہ ظاہر نہوتے تہے۔ مگر جبکہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کر کے اوس سے کام لیا تو عقل نے یہ کیا کہ

دستِ عقل آں خس بیکسو مے برد آب پیدا مے شود پیش خرد

یعنی عقل کا ہاتھ اوس خس کو ایک طرف لیجاتا ہے اور پانی عقل کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہاں آب سے مراد امورِ غیبیہ ہیں مطلب یہ ہوگیا کہ جب روح نے عقل کو رہا کیا تو اوس نے اپنا کام کیا کہ جو اسکو مغلوب کیا جب حواس مغلوب ہوگئے تو وہ امورِ غیبیہ جو اب تک اس عقل سے پوشیدہ تہے اب ظاہر ہوگئے۔

۲۴۲

خس بس انبہ بود بر جو چوں حباب خس چو یکسو رفت پیدا گشت آب

یعنی حباب کی طرح ندی پر خس بے انتہا تہے۔ تو جب خس ایک طرف ہوئے پانی ظاہر ہوگیا جو سے مراد عقل اور آب سے مراد امورِ غیبیہ مطلب یہ ہوا کہ روح کے کام کرنے سے پہلے عقل میں حواس کے خس و خاشاک بہرے ہوئے تہے۔ لیکن جب عقل نے رہا ہو کر ان خس و خاشاک کو الگ کیا تو وہ امورِ غیبیہ ظاہر ہوگئے اور اِس عقل نے اونکا ادراک کرلیا

چونکہ دستِ عقل نکشاید خدا خس فزاید از ہوا بر آبِ ما

یعنی جبکہ دستِ عقل کو خدا نہ کہولے تو خس ہمارے پانی پر ہوا کی وجہہ سے بڑھ جاویں خدا کے

دست عقل کھولنے سے مراد روح کا کھولنا ہی ہے۔ اِس لئے کہ بے اسکے کہ خدا کا حکم ہو روح کب کام کر سکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر روح دست عقل کو نہ کھولتی تو ہم پر وہ امور ظاہر ہو ہی نہ سکتے تھے مگر اب عقل نے رہا ہو کر خس و خاشاک کو ایک طرف کر کے اُن امور کو ہمارے سامنے ظاہر کر دیا۔

## آب را ہر دم کند پوشیدہ او — آں ہوا خنداں و گریاں عقل تو

یعنی آب کو وہ ہر دم پوشیدہ کر رہی ہے تو وہ ہوا ہنستی ہے اور تمہاری عقل رو رہی ہے۔ آب سے مراد امور غیبیہ اور ہوا سے مراد ہوا و ہوس مطلب یہ کہ وہ ہوا و ہوس کی ہوس خس و خاشاک کو لا کر اُن امور غیبیہ پر جمع کر دیتی ہے اور اسکو چھپا دیتی ہے تو اُس وقت وہ تو خوش ہوتی ہے کہ اُس نے اپنا کام کر لیا۔ مگر عقل جب اپنا کام نہیں کر سکتی تو روتی ہے۔

۴۳

## چونکہ تقوے بست دو دست ہوا — حق کشاید ہر دو دستِ عقل را

یعنی جبکہ تقویٰ ہوا کے دونوں ہاتھ باندھ دیتا ہے تو حق تعالیٰ عقل کے ہاتھ دونوں کھول دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب تقوے نے آکر ہوا و ہوس کو مغلوب کر دیا تو اب وہ عقل اپنا کام کرتی ہے تو یہ ہوتا ہے کہ

## پس حواس چیرہ محکوم تو شد — چوں خرد سالار و مخدوم تو شد

یعنی پھر حواس (جو کہ پہلے) غالب (تھے وہ) تمہارے محکوم ہو جاتے ہیں جبکہ عقل تمہاری پیشرو اور مخدوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب عقل نے اپنا کام کیا اور وہ مخدوم اور پیشرو ہوئی تو اب جو حواس کہ پہلے غالب ہو رہے تھے اب مغلوب اور محکوم ہو گئے اور عقل کے تابع ہو گئے اب عقل یہ کرتی ہے کہ۔

حس را بیخواب خواب اندر کند — تا کہ غیبتہا ز جاں سر بر زند

یعنی حس کو بیخواب کے خواب میں کر دیتی ہے یہاں تک غیوب جان سے سر نکالتے ہیں مطلب یہ کہ حواس تو اُس وقت ہی معطل ہوتے ہیں جبکہ انسان سو جاوے۔ مگر یہ عقل اُن پر غالب ہو کر بے اُن کے سوئے ہوئے اُن کو معطل کر دیتی ہے بس جب وہ معطل ہو گئے تو اب روح پر غیوب فائض ہوتے ہیں۔ اور وہ اُن امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور اُس وقت یہ ہوتا ہے کہ

ہم بہ بیداری بہ بیند خوابہا — ہم ز گردوں بر کشاید بابہا

یعنی بیداری ہی میں وہ بہت سے خواب دیکھتی ہے اور آسمان سے بہت سے ابواب کھول لیتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ بیداری ہی میں اُن حواس کو معطل کر کے اُن مغیبات کو دیکھ لیتی ہے اور آسمان سے ابواب کھل جاتے ہیں اور اُدھر سے اُس پر فیض ہونے لگتا ہے۔ تو بس اس ترکیب سے وہ صاحبزادوں کی زیارت فرماتے تھے۔ چونکہ بیان کیا ہے کہ ان حواس ظاہری کے باطل ہونیکے بعد امور غیبیہ کا ادراک ہوتا ہے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک شیخ اندھا تھا مگر جب قرآن شریف پڑھتا تھا تو بینا ہو جاتا تھا تو دیکھو ان حواس کے زائل ہونیکے بعد دیکھ سکتا تھا اسی طرح ان حواس کے تعطل کے بعد انسان اون امور غیبیہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اب حکایت سنو۔

دید در ایام آں شیخ فقیر — مصحفے در خانۂ پیر ضریر

باقی آئندہ

واجها اليه اليسها وارقها وفى سنده
بقية بن وليد وهو مدلس لكنه صرح
بالتحديث اھ **قلت** والآنية و
البيت متقاربان معنى ويقدر
فى كل الذكر والمحبة ونحوهما لان الله
تعالى يجل عن ان يحل فى شئ **ف**
وعليه يحمل ما وقع فى كلام بعض العشاق
ع پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسمان
در حریم سینہ حیرانم کہ چون جا کردهٔ
ومثله ما سموا فيه القلب بيت الله
او عرش الله او ارض الله
او محل التجلى له
وما فى معناه۔

**الحديث** كاد الفقر ان يكون
كفرا احمد بن منيع من طريق
يزيد الرقاشى عن الحسن
او انس به مرفوعا وهو
عند ابى نعيم فى الحلية
وابى مسلم الكشى فى سننه وابى على بن
السكن فى مصنفه والبيهقى فى الشعب
وابن عدى فى الكامل من طريق يزيد

جو سب میں زیادہ نرم اور رقیق ہوں اور اسکی
سند میں بقیہ بن ولید ہے جو مدلس ہے لیکن
اس نے حدثنی یا حدثنا صریح کہا ہے (پس تدلیس
مضر نہیں) نیز میں کہتا ہوں کہ ظروف اور
خانہ دونوں معنی قریب قریب ہیں اور دونوں
میں ذکر یا محبت وغیرہ مقدر کیا جاویگا (یعنی بیت
محبۃ الرب وآنیۃ محبۃ اللہ) کیونکہ اللہ
تعالی اس سے بالاتر ہے کہ وہ کسی شے میں
حلول فرماوے اور اسی پر محمول کیا جاویگا
بعض عشاق کا یہ قول ع پرتو حسنت الخ
یا اور کوئی قول جس میں انہوں نے کہیں
ارض اللہ کہیں محل تجلی کہیں اس کا ہم معنی
کہدیا ہے۔

**حدیث**۔ محتاجی قریب ہے کہ کفر ہو جاوے
اسکو احمد بن منیع نے یزید رقاشی کے
طریق سے روایت کیا ہے اور انہوں نے
حسن سے یا انس سے مرفوعاً اور یہ حدیث
ابو نعیم کے حلیہ میں اور ابو مسلم کشی کے
سنن میں اور ابو علی بن سکن کے مصنف
میں اور بیہقی کے شعب میں اور ابو عدی
کے کامل میں (اوسی) یزید کے طریق سے

97

عن انس بلا شك
وبن يد ضعيف
وللنسائی وصححه ابن
حبان من جهة ابی الہیثم
عن ابی سعید الخدری
مرفوعا انه كان صلی اللہ علیہ وسلم
يقول اللهم انی
اعوذ بك من الكفر
والفقر فقال رجل
ويعتدلان قال
نعم وهذا اصحها
وما قبله من المرفوع
ضعيف الاسناد
قلت فصح الحديث
معنی وهو اذا لم
يصبر ولم يرض
واعترض علی ربه
وقلت لفظ
النسائی قال
صلی اللہ علیه
وسلم اعوذ باللہ

۹۸

حضرت انس سے مروی ہے بدون شک کے (جیسے پہلے حسن کا بھی شک تھا) اور یزید ضعیف ہے اور نسائی کے یہاں ابن حبان نے تصحیح بھی کی ہے اور ابو الہیثم کی جہت سے اور ابو سعید خدری سے مرفوعاً اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے اے اللہ میں آپکی پناہ چاہتا ہوں کفر سے اور فقر سے ایک شخص نے کہا اور یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں اور یہ سب روایتوں میں صحیح ہے اور اس کے قبل جو مرفوع روایت تھی وہ ضعیف الاسناد ہے میں کہتا ہوں کہ وہ ضعیف حدیث بھی معنیً صحیح ہو گئی اور یہ (فقر کا کفر کے قریب ہونا) اسوقت ہے جب یہ شخص صبر و رضا اختیار نہ کرے اور حق تعالیٰ پر اعتراض کرے نیز میں کہتا ہوں کہ نسائی میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں کفر اور دین سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ دین کو کفر کی برابر کرتے ہیں فرمایا ہاں اور یہ بھی ماقبل کے قریب ہے

من الكفر والدين قال رجل يا رسول الله العدل الدين بالكفر قال نعم الحديث وهو يقارب ما قبله فان الفقر يستتبع الدين عادة والدين يستتبع الكفر نصا لما فيه من بعض خصال النفاق من خلف الوعد وغيره فثبت معنى

اسلئے کہ فقر عادۃً دین کو مستلزم ہے۔ اور دین (من وجہ) کفر کو نصًا مستلزم ہے کیونکہ اوس میں بعض خصال نفاق کے پائے جاتے ہیں جیسے وعدہ خلافی وغیرہ پس فقر کے کفر تک پہونچانے کا مضمون ثابت ہوگیا (اور یہی مضمون تہا کاد الفقر الخ کا)

افضاء الفقر الى الکفر

**الحديث** كنت كنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا فعرفتهم بي فعرفوني قال ابن تيمية انه ليس من كلام النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف وتبعه الزركشي وشيخنا

**حدیث**۔ میں ایک خزانہ تہا جسکو کوئی نہیں پہچانتا تہا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اونکو اپنی پہچان دی پہر اونہوں نے مجکو پہچانا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی سند معلوم ہوئی نہ صحیح نہ ضعیف اور زرکشی اور ہمارے شیخ (بہی اس حکم میں) ابن تیمیہ کے تابع ہوئے

**ف** لیکن یہ مضمون صحیح ہے اور حدیث ان اللہ جمیل یحب الجمال سے مستنبط ہے جیسا کہ احقر نے اپنی بعض تالیفات میں بیان کیا ہے چنانچہ النکت الدقیقہ کے مضمون ہشتم میں بہی مذکور ہے۔

۹۹

**الحدیث** لبس الخرقة الصوفية وكون الحسن البصري لبسها من علي قال ابن دحية وابن الصلاح انه باطل وكذا قال شيخنا انه ليس في شيء من طرقها ما يثبت ولم يرد في خبر صحيح ولا حسن ولا ضعيف ان النبي صلى الله عليه وسلم البس الخرقة على الصورة المتعارفة بين الصوفية لاحد من اصحابه ولا امر احدا من اصحابه يفعل ذلك وكل ما يروى في ذلك صريحا فباطل ثم قال ولم يتفرد شيخنا بهذا بل سبقه اليه جماعة حتى من لبسها والبسها كالدمياطي والذهبي والهكاري وابي حيان والعلائي ومغلطائي والعراقي وابن الملقن والابناسي والبرهان وابن ناصر الدين الخ

۱۰۰

**حدیث**۔ خرقہ صوفیہ کا پہننا اور حضرت حسن بصری کا حضرت علی سے پہننا ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے کہا کہ بالکل ثابت نہیں اور اسیطرح ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ اثبات خرقہ کے جتنے طریق ہیں انمیں سے ایک بھی ثابت نہیں اور کسی خبر صحیح یا حسن یا ضعیف میں وارد نہیں ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورۃ متعارفہ بین الصوفیہ پر اپنے کسی صحابی کو خرقہ پہنایا ہو اور نہ کسی صحابی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایسا کریں اور جو کچھ اس باب میں صریح روایتیں آئی ہیں سب بے اصل ہیں (صریح کی قید سے مفہوم ہوا کہ کلیات سے استنباط ہو سکتا ہے) پھر کہا ہے کہ اس دعوے میں ہمارے شیخ ہی متفرد نہیں۔ بلکہ اون سے پہلے بھی ایک جماعت اس طرف گئی ہے حتی کہ جن بزرگوں نے پہنا ہے اور پہنایا ہے (وہ بھی اس کو روایت سے ثابت نہیں فرماتے) جیسے دمیاطی اور ذہبی اور ہکاری اور ابو حیان اور علائی اور مغلطائی اور عراقی اور ابن الملقن اور ابناسی اور برہان حلبی اور ابن ناصر الدین الخ

(باقی آئندہ)

چنانچہ آپ نے دعا فرمادی اور وہ نہایت کامل دیندار ہوگیا تو حقیقت میں دنیاداروں میں کوئی بھی آرام سے نہیں ہے (وعظ ایضاً صہ ۱۵ سہ ۱۷)

(۴۸) **مثال** دیکھئے اگر کوئی محبوب اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیدے اور اس کے درمیان میں کھانے کا وقت آجائے اور محبوب کہے کہ اگر بھوک لگی ہو تو جاکر کھانا کھالو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ عاشق اسوقت اٹھنے اور کھانا کھانے کو گوارا کرے گا. ہرگز نہیں تو جب محبت کی یہ حالت ہوتی ہے تو شیخ کے فاقہ پر کیا تعجب ہے. وہ حضرت حق محبوب حقیقی سے معیت رکھتے ہیں مولانا فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| گفت معشوقے بعاشق کاے فتا | تو بغربت دیدہ بس شہرہا |
| پس کدامی شہر ازاں ہا خوشتر است | گفت آں شہر یکہ دروے دلبر است |

آگے مولانا فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| ہر کجا دلبر بود خرم نشین | فوق گردون ست نے قعر زمین |
| ہر کجا یوسف رخے باشد چوں ماہ | جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ |

25

تو اگر محبوب کنوئیں کے اندر ہو وہ بھی جنت ہے تو جب محبوب مجازی کی معیت کی یہ حالت ہوتی ہے تو محبوب حقیقی کی معیت اگر میسر ہو جاوے تو کیا حالت ہوگی (وعظ ایضاً صہ ۱۹)

(۴۹) **حکایت** حضرت امام ترمذی رح جب نابینا ہوگئے تو ایک مرتبہ آپ کو سفر کا اتفاق ہوا. راستہ میں ایک مقام پر پہنچکر آپ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے سر جھکالیا حمال نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں ایک درخت ہے اس میں ٹکر لگتی. حمال نے کہا کہ یہاں تو کوئی درخت نہیں ہے. آپ نے اونٹ کو وہیں رکوادیا اور فرمایا کہ اگر میرا حافظ اس قدر کمزور ہوگیا ہے تو میں آج سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دونگا. اور قریب کے گاؤں میں آدمی بھیجکر دریافت کیا. اکثر لوگوں نے وہاں درخت ہونے سے انکار کیا لیکن گاؤں کے بعض بوڑھوں نے کہا کہ مدت گذری جب یہاں ایک درخت تھا اور تقریباً بارہ برس ہوئے کہ اسکو کاٹ دیا گیا ہے. جب اس کی تصدیق ہوگئی تو آپ آگے بڑھے. (وعظ

تعلیم البیان دعوات جلد ۵ صہ ۱۲ سہ ۴)

(۵۰) **حکایت** ابوداؤد میں قصہ ہے ایک راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک راوی سے ایک حدیث سنی تھی۔ مدت کے بعد مجھے خیال ہوا کہ اس کے حافظہ کا امتحان کرنا چاہئے ایسا نہو کہ اس نے غلط حدیث مجھ سے بیان کردی۔ چنانچہ یہ راوی اس کے پاس گئے اور جا کر وہ حدیث پوچھی اس نے حدیث بتلائی اور کہا کہ تم میرا امتحان کرتے ہو۔ میرا حافظہ اس قدر قوی ہے کہ میں نے ستر حج کئے ہیں اور ہر سال نئے اونٹ پر حج کیا اور مجھکو یاد ہے کہ فلاں سال فلاں اونٹ پر حج کیا تھا (وعظ ایضاً ص ۱۲ س ۱۳)

(۵۱) **حکایت** امام بخاری کسی مقام پر تشریف لے گئے وہاں کے عالموں نے آپ کا امتحان کرنا چاہا اور سو حدیثیں الٹ پلٹ کر آپ کے سامنے پڑھیں۔ آپ ہر حدیث پر لا اعرف فرماتے رہے جب وہ لوگ ختم کر چکے تو آپ نے ان سب احادیث کو جو انہوں نے سنائیں تھیں اسی طرح نقل فرمایا اور ساتھ ساتھ تصحیح کرتے گئے کہ اما الحدیث الاول فھو کذا واما الثانی فھو کذا۔ مگر جب حدیثیں مدون ہوگئیں اور ضرورت اس قدر حافظہ کی نہ رہی تو قوت حافظہ کم ہونا شروع ہوگئی۔ غرض انقطاع اجتہاد بعد ظہور اکمال دین کے ہوا ہے اور اجتہاد سے اکمال کے ظہور کا یہی حاصل ہے کہ ان کا قیاس بھی مثل حدیث مبین قرآن و نیز مبین حدیث ہے (وعظ ایضاً ص ۱۲ س ۱)

(۵۲) مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم گنگوہی کہتے تھے کہ میں دہلی میں جب مدرس ہو کر گیا تو ولایتی طالب علم میرے سپرد ہوئے اور سلّم شروع ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ تحقیق سے پڑھو گے یا سیدھا سادہ کہنے لگے کہ ہم تو تحقیق سے پڑھیں گے میں نے رات کو بہت سے حواشی اور شروح دیکھکر صبح کو نہایت تحقیق سے پڑھایا جب دوسرا دن ہوا اور پھر میں نے یہی سوال کیا۔ طلبہ نے پھر یہی کہا کہ ہم تو تحقیق سے پڑھیں گے میں نے کہا کہ اگر تحقیق سے پڑھو گے تو کل جو کچھ میں نے تمکو بتلایا تھا اس کا اعادہ کر دو تاکہ مجھے یہ اندازہ ہو کہ تم میں قابلیت تحقیق سے پڑھنے کی ہے یا نہیں۔ یہ سن کے سب کے سب میرا منہ تکنے لگے اور ایک سے بھی اعادہ نہ ہو سکا اسوقت میں نے کہا کہ سنو تم نے باوجود یکہ مجھ سے یہ تقریریں سنیں اور بیان نہ ہو سکا اور میں نے باوجود اس کے کہ استاد نے اس

۲۶

مقام پر مجھکو درس کے وقت یہ تقریریں نہیں بتلائیں اور میں نے بیان کر دیں۔ آخر اسکا سبب کیا ہے معلوم ہوا کہ استعداد کی ضرورت ہے جو کتاب سے پیدا ہوتی ہے۔ ان تقریروں سے کچھ نہیں ہوتا سو کتاب پڑھو تب وہ سمجھے اور حل کتاب پر کفایت کی۔ (وعظ ایضاً صہ ۱۵ اسداء)

(۵۳) **حکایت** میں نے ایک طالب علم کو دیکھا کہ وہ ایک مبتدی کو میزان پڑھا رہے تھے اور اس کے خطبہ میں **الف لام** تعریف کی قسمیں بیان کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب اس غریب کی کیوں راہ مار رہے ہو۔ یہ ان سب مضامین کو جزو میزان سمجھے گا۔ اور مشکل سمجھکر میزان ہی کو چھوڑ دیگا۔ میں نے اپنے پڑھانیکا طرز ہمیشہ یہی رکھا ہے کہ نفس کتاب کو حل کر دیا۔ اور زوائد بھی بیان نہیں کئے۔ اور حل بھی اس طرز سے کہ بڑے بڑے مشکل مقامات بھی کبھی طالب علموں کو مشکل نہیں معلوم ہوئے۔ صدرا میں مثناۃ بالتکریر کی بحث ایک مشہور بحث ہے۔ کانپور میں ایک مولوی فضل حق طالب علم مجھ سے صدرا پڑھتے تھے جس دن یہ مقام آیا ہے تو میں نے بلا اہتمام معمولی طور سے اس کی تقریر کر دی جب انہوں نے اسکو اچھی طرح سمجھ لیا تو میں نے کہا یہی مقام ہے جو مثناۃ بالتکریر کے لقب سے مشہور ہے۔ انکو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ آخر سالانہ امتحان میں ممتحن نے یہی مقام سوال میں دیا۔ مولوی فضل حق صاحب مرحوم نے جو تقریر اس مقام کی لکھی تھی (وہ ابتک مدرسہ جامع علوم میں محفوظ ہے) ممتحنین بھی اسپر عش عش کرتے تھے بعض نے یہ کہا کہ ہمنے اس مقام کی تقریر ایسی کہیں نہیں دیکھی۔ تو بڑی کوشش اسکی ہونی چاہئے کہ کتاب کو پانی کر دے نہ یہ کہ اپنی فضیلت کا اظہار کرے (وعظ ایضاً صہ ۱۹ سطر ۲)

(۵۴) **حکایت** دوسری حکایت یاد آئی ایک میانجی تھے وہ لڑکوں کو بہت دق کرتے تھے لڑکوں نے آپس میں صلاح کی کہ جیسے یہ دق کرتے ہیں ان کو بھی دق کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک لڑکا مکتب میں آیا اور السلام علیکم کہہ کر میانجی سے کہا۔ میانجی کیا بات ہے آج کچھ چہرہ اُداس سا ہے۔ دوسرا آیا حافظ جی کیا کیفیت ہے۔ طبیعت تو اچھی ہے۔ تیسرا آیا خیر تو ہے کچھ بخار کا سا اثر چہرہ سے نمایاں ہے غرض حافظ جی کو اس کہنے سننے سے یقین ہوگیا

کہ میں یقیناً بیمار رہوں گھر آکر لیٹ گئے بیوی سے لڑائی شروع کی کہ تمام لڑکوں نے عیادت کی مگر تو نے نہیں کی غرض خوب لڑائی ہوئی یہ حکایت مولانا رح لکھکر فرماتے ہیں کہ ارے احمق تو لوگوں کی تعظیم و تکریم سے اوہام میں مبتلا ہوگیا ہے (وعظ تعظیم الشعائر دعوات جلد ۶ صہ س۲)

(۵۵) **حکایت** امام مالک رح کی حکایت ہے کہ ایک مجلس میں ان سے چالیس مسائل کسی نے پوچھے (اچھی طرح یاد نہیں رہا چھتیس کا جواب دیدیا اور چار میں (۱۶ درہی کہا یا چار کا جواب دیا اور چھتیس میں عدم واقفیت ظاہر کی، آج کل ادنی طالب علم سے پوچھ دیکھئے جو ہرگز بھی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا مجھکو باوجود اس کے کہ اتنے دن کام کرتے ہوگئے مگر اب تک ایسی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ لکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجھکو شرح صدر نہیں ہوا اور قواعد سے اگر جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں اور یہ لکھدیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے۔ جزئیہ نہیں ملا اور کبھی جواب لکھ دیتا ہوں اور بعد میں لغزش ثابت ہوتی ہے بس میں کہتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں جب انکو لغزشیں ہوتی ہیں تو جو ان پڑھ ہیں وہ تو بطریق اولی غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہونگے اور وہ شخص بھی ان پڑھ ہی ہے جو آمد نامہ دستور الصبیان بلکہ گلستاں سکندر نامہ پڑھا رہا ہو۔ یا انٹرنس پاس اور ایف لے پاس ہو بلکہ عربی پڑھنے والے بھی سب عالم نہیں ہیں۔ کیونکہ زبان اور چیز ہے اور علم اور چیز ہے (وعظ انجاء المجازفہ دعوات ۶ صہ ۱۲۴ س ۵)

(۵۶) **حکایت** ایک عالم نے وکیعؒ محدث سے اپنے سوءحافظہ کی شکایت کی تھی کہ جو پڑھتا ہوں یاد نہیں رہتا انہوں نے ان کو تقوی کی تعلیم فرمائی چنانچہ اس مضمون کو اُن عالم نے نظم فرمادیا ہے۔ طلبہ کو چاہئے کہ اسکو یاد کریں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصنی الی ترک المعاصی

فان العلم فضل من الله ۔۔۔ وفضل الله لا یعطی لعاصی

اور اگر تقوی ہوگا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہونگے مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

بینی اندر خود علوم انبیا ۔۔۔ بے کتاب و بے معید و اوستا

مولانا محمد قاسم رح صاحب نے معاصرین سے کچھ زیادہ نہیں پڑھا تھا۔ بلکہ عجب نہیں

۲۸

باقی آئندہ

(۷) اور وقالوا لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ (پارہ واذا سمعوا قریب نصف) ترجمہ کفار کہتے ہیں کہ (اگر یہ رسول ہیں) تو کوئی نشانی (معجزہ) ان پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ نہیں صادر ہوا ورنہ کفار کو یہ کہنے کا موقعہ کیوں ملتا اور واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء تھم ایۃ لیؤمنن بھا (واذا سمعوا آخر) ترجمہ اور کفار نے بڑی قسمیں کھائیں کہ اگر کوئی معجزہ ان کے سامنے آوے تو ضرور ایمان لے آویں۔ جب کفار ایمان لانے کے لئے تیار رہتے اور صرف معجزہ کا انتظار تھا اور ایمان لائے نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ معجزہ ہی ظہور میں نہیں آیا اور خود آیت ہی میں آگے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ فلاں معجزہ موجود تو ہے۔ اگر کوئی معجزہ ہوتا تو اسکو ضرور جتلایا جاتا۔ ثابت ہوا کہ کوئی معجزہ وقوع میں نہیں آیا۔ اور ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ انما انت منذر ولکل قوم ھاد (سورہ رعد) ترجمہ اور کہتے ہیں کفار کہ اپنر کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہدایت کرنے والا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کفار کے جواب میں کسی معجزہ کا نام نہیں لیا گیا تو ثابت ہوا کہ معجزہ کوئی تھا ہی نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس آیت میں لفظ آیت سے آیت قرآنی مراد نہیں بلکہ معجزہ ہی مراد ہے۔ کیونکہ آیات قرآنی تو اترتی ہی تھیں تو معجزہ کی نفی ہوئی اور لفظ انما انت منذر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ منذر (رسول) کے لئے معجزہ ہونا ضروری نہیں بلکہ معجزہ نہ ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور اسی سورہ رعد میں دوسری جگہ بھی یہی لفظ ہے ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ اس کے آگے بھی کسی معجزہ کو نہیں جتلایا اور وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھر خللھا تفجیرا۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تأتی باللہ والملئکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء۔ (پارہ سبحان الذی قریب نصف) ترجمہ اور کفار نے کہا ہے کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے تاوقتیکہ یہ معجزات آپ نہ دکھادینگے کہ زمین میں سے ایک چشمہ جاری

۲۱۷

(۴) کیجیے یا آپ کا ایک باغ ہو کھجور کا اور انگور کا جس میں نہریں خوب بہتی ہوں یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہمارے اوپر گرائیے۔ جیسا آپ کا خیال ہے کہ آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ سکتا ہے یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے یا آپ کا ایک بہت سجا ہوا محل ہو یا آپ آسمان میں چڑھ کر دکھائیے۔ یہ سب معجزات ہیں جن کا مطالبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا لیکن ان میں سے کوئی بھی وقوع میں لاکر نہیں دکھایا گیا بلکہ جواب میں فرمایا گیا قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا۔ ترجمہ۔ کہدیجئے سبحان اللہ میری کیا ہستی ہے میں تو صرف ایک انسان ہوں اور رسول ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ انسان سے یہ چیزیں ظاہر ہو سکتی ہیں نہ منصب رسالت کے لئے ضروری ہیں۔ یہ آیت نفی معجزات کے بارہ میں بالکل صریح ہے اور وقالوا لولا یاتینا بایة من ربه اولم تاتهم بینة ما فی الصحف الاولی (سورہ طٰہٰ) ترجمہ اور کہا کفار نے کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی معجزہ ہمارے سامنے کیوں نہیں پیش کرتے ہیں۔ کیا ان کے پاس وہ دلیل نہیں آئی جو پہلے صحیفوں میں تھی۔ اس آیت سے بھی معجزہ کا مطالبہ ثابت ہے۔ مگر جواب میں کسی معجزہ کا نام نہیں لیا گیا۔ غرض یہ مضمون بہت سی آیتوں میں ہے اور بعض اہل فطرت نے اس سے معجزات کی نفی ثابت کی ہے۔ جس کی تقریر نیچے بہت صاف صاف کردی اور کہدیا گیا ہے کہ جب ان آیتوں میں معجزات کی نفی کی گئی ہے تو ضرور ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں معجزات کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اوس کے کچھ ایسے مناسب معنے لے لئے جاویں کہ قرآن میں تعارض لازم نہ آوے۔ قرآن پاک میں تعارض کا کیا کام۔ ظاہرا ان حضرات نے کوئی بیجا کام نہیں کیا بلکہ قرآن کی بڑی خدمت کی۔ اسکو توجیہ یا تاویل کہتے ہیں۔ ان حضرات نے تمام ان مواقع پر اس سے کام لیا جن سے معجزات کا ثبوت ہوتا ہے۔ ایک چلتی ہوئی تاویل جس سے اکثر جگہ کام لیا ہے یہ ہے کہ قرآن میں اکثر ان موقعوں پر جن سے علما معجزہ کو ثابت کرتے ہیں لفظ آیۃ آیا ہے۔ گویا معجزہ کو قرآنی اصطلاح میں آیت کہتے ہیں۔ یہ حضرات اہل فطرت کہتے ہیں کہ یہ صرف دقیانوسی علمار کا اختراع ہے کہ لفظ آیۃ کو معنے معجزہ لے لیتے ہیں۔ آیۃ کتاب الہی کے ایک

۲۱۸

(۷) جملہ کبھی تو کہتے ہیں تو ان موقعوں پر جہاں علماء آیہ کو بمعنے معجزہ لیتے ہیں ہم اسکو بمعنے جملہ کلام الہی کیوں نہیں لے سکتے۔ جب ایک لفظ کے دو معنے ہیں تو کسی دلیل سے ایک معنی کو کیوں اختیار نہیں کر سکتے وہ دلیل وہی آیات ہیں جن سے معجزہ کی نفی ثابت ہوتی ہے لفظ آیہ کا استعمال بمعنے آیت کتاب اللہ شایع و ذائع ہے۔ مثلاً یتلو علیھم اٰیٰتہ اور سورۃ انزلنھا و فرضنھا و انزلنا فیھا ایات بینٰت اور ھوالذی ینزل علی عبدہ ایات بینٰت۔ وغیرہا من الآیات القرآنیہ۔ اس تاویل سے دونوں قسم کی آیتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس تاویل سے اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں کہ ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ لفظ آیہ ہی میں سوائے دو چار جگہ کے یہ گنجایش نہیں کہ اسکو بمعنے کلام الہی لیا جاوے۔ ہم وہ موقعے گنائیں گے جہاں آیہ کو بمعنے کلام الہی نہیں لے سکتے بلکہ وہاں بمعنے معجزہ ہی لے سکتے ہیں اس کے علاوہ ہر جگہ معجزات کو آیۃ ہی سے نہیں تعبیر کیا گیا بلکہ دوسرے ایسے صریح عنوانات سے بیان کیا گیا ہے۔ جن میں کسی تاویل کی گنجایش نہیں اُن میں تاویل کرنا مرادف ہے تحریف کا اور تحریف سے اسہل یہ ہے کہ صریح انکار کر دیا جائے ہمارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تاویل بیکار ہے۔ سوا چند مواقع کے کام نہیں دیتی۔ اور آیات مشتبہ معجزات موجود ہیں تو لفظ آیہ کے دو معنوں میں سے ترجیح اسی معنی کو ہو سکتی ہے جو علماء نے مراد لیا ہے۔ رہی وہ آیتیں جن کو نفی معجزات کے لئے پیش کیا گیا ہے اون کے صحیح معنی ہم بیان کرینگے جس سے کہیں تعارض لازم نہ آئے گا۔

ہم اس مضمون کو کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس طرح کہ اول بتاتے ہیں کہ لفظ آیت کا استعمال ازروئے لغت کس معنی میں ہے اور قرآن پاک میں کن کن معنوں میں آیا ہے پھر مذکورہ ساتوں آیتوں کے متعلق بالتفصیل گفتگو کرینگے کہ ان سے معجزات کی نفی ثابت ہوتی ہے یا کیا غیاث اللغات میں ہے۔ آیت نشان و علامت۔ اور صراح میں ہے۔ آیہ نشان و یک سخن تمام از قرآن و جماعت حروف ازوے آیۃ الرجل[1]

۲۱۹

[1] فی الصراح یقال تاییۃ علی تفاعلہ و تاییۃ علی تفعلۃ اذا قصدت آیتہ و تعمدتہ و خرج القوم بآیتھم ای بجماعتہ ۱۲ منہ۔

(۳) شخصۃ۔ یعنی آیت کے معنی ہیں علامت اور ایک جملہ قرآن کا۔ اور چند حروف قرآن کے۔ آیۃ مرد بمعنے کالبد مرد۔ اور منجد (کتاب ہے لغت کی) میں ہے الآیۃ العلامۃ۔ من الکتاب کلام منہ منفصل بفصل لفظی۔ العبرۃ یعنی آیۃ کے تین معنی ہیں۔ علامت اور کتاب کا ایک جملہ جو دوسرے جملہ سے علیحدہ ہو کسی لفظی نشان کے ساتھ اور عبرت

قرآن وحدیث میں بھی لفظ آیۃ تینوں معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً قال رب جعل لی ایۃ قال ایتک ان لا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا یعنی جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ہونے کی بشارت ملی تو عرض کیا کہ اس کی کوئی علامت مقرر کیجئے جس سے میں سمجھ لوں کہ اب بیٹا ہوگا تو وحی آئی کہ علامت یہ ہے کہ تمہاری زبان بند ہو جاوے اور بات نکر سکو۔ مگر اشارہ سے۔ یہاں آیت بمعنی علامت ہے۔ اور مثلاً یتلون ایات اللہ یعنی پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی۔ یہاں آیت بمعنے جملہ کتاب ہے اور مثلاً لتکون لمن خلفک ایۃ فرعون کے غرق کے قصہ میں ہے کہ ہم تیری لاش کو نکال کر لوگوں کو دکھلائیں گے تاکہ تو اُن کے لئے عبرت ہو یہاں آیۃ بمعنی عبرت ہے۔

۲۲۰

اب ہم کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں لفظ آیۃ کہیں معجزہ کے لئے آیا ہے۔ اور کہیں جملہ ہائے قرآنی کے لئے ہمارے مخاطبین اہل فطرت نے یہ کیا کہ جہاں لفظ آیۃ نفی کے ساتھ آیا ہے اوس سے مراد معجزہ لیا ہے اور جہاں اثبات کے ساتھ آیا اس سے مراد آیات قرآنی لیں۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تصرف بیجا ہے اور کلام الٰہی کی تحریف ہے نہ اس کی اُن کے پاس کوئی دلیل ہے۔ نہ کلام الٰہی میں اس کی گنجایش ہے بلکہ کلام الٰہی ہی اس کو رد کرتا ہے نہ اس سے وہ تعارض اٹھتا ہے جس کی آڑ میں انہوں نے یہ تحریف کی ہے اور دلیل میں جو سات آیتیں انہوں نے پیش کی ہیں ان کے متعلق مفصل کلام آگے آتا ہے۔

بیان اس کا یہ ہے کہ قرآن میں لفظ آیۃ یا آیات چار طریق پر آیا ہے کہیں بمعنی معجزہ اور کہیں بمعنی کلام الٰہی جسکو عرف میں آیت کہتے ہیں اور کہیں اس طریق سے کہ معجزہ یا کلام الٰہی دونوں کو محتمل ہے اور کہیں بمعنے مطلق نشانی قدرت جو از قبیل معجزہ نہیں۔ جیسے

(باقی آیندہ)

یا کفر سے اسلام کی طرف بلکہ (مراد یہ ہے کہ) مسلمانوں کی ایک جماعت کو بذریعہ اس ارادہ کے جو صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے دل میں (کارکنان قضاو قدر نے) ڈالا جہاد کی طرف مائل کریگا اور ان سب کو ایک سلسلہ میں منسلک کردیگا (یعنی سب کے دل میں وہ ارادہ الٰہی موجزن ہو جائیگا) تاکہ وہ سب اس صورت اجتماعیہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے آورده سمجھے جائیں یعنی وہ ہیئت اجتماعیہ اللہ کی تدبیر سے اور اس کے الہام سے اور اس ہمت کے سبب جو اس نے ان سب کے دل میں ڈالی پیدا ہوئی (ورنہ ایک آگ کا سب کے دل میں یکساں لگ جانا ممکن نہیں)

یحبھم و یحبونہ الخ یہاں چھ صفتیں (ان لوگوں کی) بیان ہوئیں دو تو وہ ہیں جن کا تعلق بندہ اور خدا کے درمیان میں ہے (خدا اُن کو دوست رکھتا ہے وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں) اور دو وہ ہیں جن کا تعلق خود باہم بندوں کے درمیان ہے۔ جو مؤمن ہے اس کے ساتھ وہ برتاؤ رکھتے ہیں جو باپ کو بیٹے کے ساتھ رکھنا چاہئے اور جو کافر ہے اس کے حق میں مثل جبرئیل کے دکہ باوجود انبیاء و مؤمنین کے لئے رحمت ہونیکے) عیبہ ثمود کے وقت (موجب ہلاکت بن گئے)، خدا کی طرف سے ذریعہ تلف و ہلاکت بنجاتے ہیں اور دو وہ ہیں جو دینی خدمات کے متعلق ہیں۔ ایک فعل جہاد (جس کے لئے آیت تمکین میں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا لفظ آیا) ہے اور دوسری قوت الہامیہ ان کی کہ لوگوں سے کہنے سے یا قرابت کے خیال یا اور ایسے ہی کسی بات سے انکا ارادہ الہامی زائل نہیں ہوتا ہے۔

ذلك فضل اللہ الخ یہ ایک خلاصہ (گذشتہ مضامین کا) ہے جو ان صفات مذکورہ کے ثابت کرنے میں اور عند اللہ ان صفات کی منزلت ظاہر کرنے میں اعلیٰ پیمانہ رکھتا ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر و حدیبیہ کے بعد قتال مرتدین ہی کا مرتبہ ہے اور یہ قتال بھی ان مشاہد عظیمہ کا ایک نمونہ تھا۔

انما ولیکم اللہ (لفظ) انما کلام عرب میں مضمون سابق کے مدلل کرنے اور اسکی حقیقت و واقعیت کے ثابت کرنے کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! عرب کے مرتد ہو جانے اور ان کی مجتمع جماعتوں سے کیوں ڈرتے ہو؟ تحقیق تمہارا کارساز اور مددگار درحقیقت خدا ہے (خدا کی مدد کی یہ صورت ہے) کہ وہ الہام خیر کرتا ہے اور (بندگ

کے شروع کئے ہوئے) کاموں کو انجام تک پہونچاتا ہے اور (مددگار تمہارا) رسول اس کا ہے (رسول کی مدد کی ایک صورت یہ ہے) کہ ترغیب جہاد کا سلسلہ دنیا میں لایا ہوا انہیں کا ہے اور (دوسری صورت یہ ہے) کہ اپنی امت کی دعائے خیر سے دستگیری کرتے ہیں اور (ظاہر ہیں) وہ کامل الایمان لوگ (تمہارے مددگار ہیں) جو خشوع وخضوع کے ساتھ نماز قائم رکھتے ہیں۔ اور زکوۃ دینے کی صفت رکھتے ہیں اور ان کی مدد کی یہ صورت ہے کہ) وہ الہام الہی کو قبول کر لیتے ہیں اور خدا تعالی ان کے ہاتھ سے نیک کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے سبب اور نیز اس کے مصداقؔ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ گو الفاظ عام ہیں اور تمام کامل الایمان لوگوں کو (تا قیامت) شامل ہیں مگر (جو شخص سبب نزول (ہو اس) کا (آیت کے مصداق میں) داخل ہونا قطعی ہے۔ اسی عموم کی وجہ سے حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام کے حق میں نازل ہوئی تھی جبکہ ان کو انکی قوم یعنی یہودیوں نے (مسلمان ہو جانے کی وجہ سے) چھوڑ دیا تھا (اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام لینا بھی اسی عموم کی وجہ سے ہے چنانچہ) بغوی نے ابو جعفر یعنی محمد ابن علی (معروف بہ) باقر سے روایت کی ہے کہ آیۂ انما ولیکم اللہ سب ایمان داروں کے حق میں نازل ہوئی ہے ان سے کہا گیا کہ (بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ) یہ علی کے حق میں نازل ہوئی ہے آپنے کہا علی بھی مومنین میں سے ہیں (لہٰذا ان لوگوں کا قول بھی صحیح ہے) نہ جیسا شیعوں نے گمان کیا ہے اور ایک جھوٹاؔ قصہ روایت کرتے ہیں اور (ترکیب نحوی میں) (راکعون کو یؤتون الزکوۃ کا حال بناتے ہیں اور حالت رکوع میں (حضرت علی کا) ایک فقیر کی جانب انگوٹھی پھینکنا بیان کرتے ہیں اور (اس آیت کو ماقبل اور مابعد سے بے تعلق کرکے) آیت کے سیاق وسباق کو برہم

---

ؔ سبب نزول اور مصداق کبھی جداگانہ ہوتے ہیں کبھی دونوں متحد ہوتے ہیں جس شخص یا جس واقعہ کے سبب آیت نازل ہو وہ شخص یا وہ واقعہ سبب نزول کہلاتا ہے اب اگر الفاظ آیت اس شخص یا اس واقعہ پر صادق آجائیں تو وہی مصداق بھی ہے ورنہ نہیں مفسرین جب بولتے ہیں کہ یہ آیت فلاں کے حق میں نازل ہوئی ہے تو کبھی یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ فلاں مصداق آیت کا ہے کبھی دونوں مراد لیتے ہیں ۱۲ منہ ؔ وہ جھوٹا قصہ یہ ہے کہ حضرت علی نماز پڑھ رہے تھے کہ سائل نے آکر سوال کیا حضرت علی نے نماز پڑھتے ہی میں حالت رکوع میں انگوٹھی اپنی انگلی سے نکال کر اسکو دی اس قصہ کو علاوہ مصنف کے دوسرے ائمہ فن نے بھی موضوع کہا ہے چنانچہ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ولیس یصح شئ منہا لضعف اسانیدھا وجہالۃ رجالہا اس قصہ کی کوئی روایت صحیح نہیں بوجہ اسکے کہ سندیں اسکی کمزور اور راوی اس کے مجہول ہیں ۱۲

کردیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے اعضا کو ایک دوسرے سے جدا کردے جس طرح انہوں نے آیتوں کو (جو ایک دوسرے سے مرتبط تھیں) جدا کردیا۔

والذین اٰمنوا الخ اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کا ولی و کارساز ہونا (ہر معاملہ میں) خاصکران سے بڑے بڑے حادثوں میں (جیسے فتنۂ ارتداد تھا) انہیں سابق القدم لوگوں کو زیبا ہے جو صفات کمال کے ساتھ موصوف ہوں نہ کسی اور کو

ومن یتول اللہ الخ خدا اور رسول کی اور خلیفۂ رسول کی اطاعت کا حکم (دیا جارہا ہے اور اس کی ترغیب (دیجارہی) ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ غلبۂ اسلام اسی (اطاعت) پر موقوف ہے۔ اور سعادت (دارین) اسی (اطاعت) میں منحصر ہے

جب یہ سب بیان ہو چکا تو جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ مگر اس وعدہ کا انجاز[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہوا کیونکہ اس زمانہ میں کوئی فوج جمع ہو کر مرتدوں سے لڑنے کے لئے نہیں نکلی اور شیخین کے بعد بھی اس تمام طویل مدت میں کبھی فوجوں کو جمع کرکے اور آلات حرب کو درست کرکے مرتدوں سے لڑائی نہیں ہوئی پس ضرور ہے کہ اس وعدہ کے مصداق حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فوج (ظفر موج) ہے جو مرتدوں سے لڑنے کے لئے نکلی تھی جس نے اللہ کی مدد سے بہت جلد اور نہایت عمدہ طریقہ سے اتنے بڑے کام کو انجام دیدیا اور (چونکہ) فوج کا جمع کرنا اور مرتدوں سے لڑنا خلافت خاصہ کے لوازم سے ہے اس لئے کہ خلافت راشدہ اسی سرداری کو کہتے ہیں جو دین کے قائم رکھنے اور دشمنان خدا سے جہاد کرنے اور کلمہ خدا کے بلند کرنے کے لئے ہو اس طرح پر کہ وہ سب سردار اور اس کے پیرو سب اس دین کے قائم رکھنے میں ممد و معاون ہوں اور خدا کی تعریف اور خوشنودی ان کے شامل حال ہو اور یہ ظاہر ہے کہ مرتدوں سے جہاد کرنا دین قائم رکھنے کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ اور مرتدوں سے جہاد کرنے والے کی تعریف اور ان سے خوشنودی ان آیات میں دوپہر کے آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے (لہذا ثابت ہو گیا کہ حضرت صدیق سے خلافت خاصہ کی مسند کو زیب و زینت تھی۔)

---

[1] انجاز کسی کام کے پورا کرنے کو کہتے ہیں ۱۲

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ من یتول اللہ میں خلیفہ راشد کے محبت کرنے کی ترغیب ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) اس آیت کے مصداق ہیں (لہذا اس آیت میں ان سے محبت رکھنے کا حکم نکلا۔) اور خلیفہ راشد سے محبت رکھنا اشارہ ہے اس طرف کہ اس کی اطاعت واجب ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس آیت میں بھی حضرت صدیق کی خلافت کے وقوع کی دلالت ہے اور یہ (مدعا اس تقریر سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے) جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ تاکید کے ساتھ گواہی دیتا ہے کہ وہ لوگ قتال مرتدین کے وقت (خدا کے محبوب اور محب اور) ایسے ایسے ہونگے اور یہ سب باتیں اعلیٰ درجہ کی خوبیاں ہیں لہذا اگر (بقول اہل باطل) حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) اپنی خلافت میں برحق نہ ہوتے تو وہ لوگ جنہوں نے ان کے حکم سے جہاد کیا اور ان سے بیعت کی اور ان کے خلیفہ بننے سے راضی تھے (خدا کے) محب اور محبوب اور اعلیٰ درجہ کی صفات کے ساتھ کیوں کر موصوف ہو سکتے ہیں اور (ان کا ان صفات کے ساتھ موصوف نہ ہونا) اللہ تعالیٰ کی شہادت سے (باطل ہے اور یہ باطل) لازم آیا ہے حضرت صدیق کی خلافت برحق نہ ہونے سے لہذا ان کی خلافت کا برحق نہ ہونا محال ہو گا۔ کیونکہ جس چیز سے باطل لازم آئے وہ چیز محال ہوتی ہے۔ ۱۴۲

اور یہ جو فرمایا کہ عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو لائیگا۔ حالانکہ ظاہر میں مسلمانوں کو (جہاد مرتدین کے لئے) جمع کرنا حضرت صدیق کے ہاتھ سے ہوا بالکل ایسا ہی ہے جیسے فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ ان صفات کے ساتھ جمع کرنا درحقیقت حق سبحانہ تعالیٰ کا فعل تہا اور حضرت صدیق تو مثل جارحہ کے تھے (اب بتاؤ) حضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے مرتبہ کے بعد کون مرتبہ اس سے بڑھکر ہو گا۔ اور کون کامل ومکمل حضرت صدیق کے مثل ہوسکتا ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ آیہ انما ولیکم اللہ میں گو لفظ عام ہیں مگر (چونکہ) مصداق آیت کے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور مصداق آیت کا حکم آیت میں داخل ہونا قطعی ہے لہذا صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) مسلمانوں کے ولی اور کارساز ہوئے اور خلافت راشدہ کے یہی معنی ہیں۔ اور (یہ بھی اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ) صدیق اکبر

(رضی اللہ عنہ) خشوع اور خضوع سے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کے ساتھ یا نوافل کی کثرت کے ساتھ موصوف تھے یہ بات بھی لوازم خلافت خاصہ سے ہے۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ عرف عام میں قتال وجہاد (کا فعل) حکم دینے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بلکہ حکم دینے والے کو ان صفات کیساتھ زیادہ موصوف ہونا چاہئے تا کہ اس کے دل کا پرتو دوسروں پر اثر کرے لہذا یہ چھ صفتیں کل کی کل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں بدرجہ کمال ہونگی یہ بات بھی لوازم خلافت خاصہ سے ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ صفتیں خاص حضرت صدیق ہی کی ہوں۔ یہاں بطور تعریض[۱] کے ذکر کی گئی ہوں جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا ہے ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ یہاں حضرت صدیق ہی مراد ہیں مگر یہاں لفظ جمع لائے گئے ہیں۔ جیسا کہ قاعدہ تعریض کا ہے حضرت صدیق کے ساتھ ان صفات کے خاص ہونیکا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ مرتدوں سے جہاد کرنے میں کسی مسلمان کو ملامت (سوا حضرت صدیق کے کسی کو) پیش نہیں آئی اور کافروں کی ملامت کا تو کچھ اعتبار ہی نہیں لہذا لا یخافون لومۃ لائم تو حضرت صدیق کے ساتھ (قطعا) خاص ہوگا۔ (پس جب ایک جملہ حضرت صدیق کے ساتھ خاص ہوا تو اوپر کے جملوں کا بھی خاص ہونا بعید نہیں) جب مانعین زکوۃ سے لڑنے میں صحابہ نے اعتراض کیا اور ملامت کرنے لگے اور (چونکہ) حضرت صدیق کے نزدیک ان کا کفر وارتداد ثابت ہوچکا تھا لہذا صحابہ کے اعتراض وملامت سے ان کے دل مبارک میں کچھ بھی خیال پیدا نہوا۔ اور وہ اپنی رائے کی تنفیذ سے باز نہ آئے۔ ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا یہی مطلب ہے

## وہ احادیث جو خاص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب میں وارد ہوئی ہیں

حضرت صدیق اکبر کا اللہ تعالی ورسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کا حال اور اسلام کے ساتھ سچی ہمدردی کی کیفیت جو کہ جنگ بدر وجنگ احد وجنگ حنین میں ظاہر ہوئی کتب احادیث وسیر میں مفصل ومشرح مذکور ہے۔ اس مقام پر چند احادیث صحیحہ

[۱] تعریض کسی بات کو اشارہ میں بیان کرنا صاف صاف نہ کہنا ۱۲

جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ لکھی جاتی ہیں۔

(۱) حاکم نے عائشہ بنت طلحہ سے انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کسی ایسے شخص کے دیکھنے کی خوشی ہو جو (دوزخ کی) آگ سے آزاد ہو تو اسے چاہئے کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھے۔

(۲) ترمذی نے بروایت اسحق بن یحیی بن طلحہ ان کے چچا اسحق بن طلحہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم آتش (دوزخ) سے اللہ کے عتیق (یعنی آزاد کئے ہوئے) ہو اس دن سے ان کا لقب عتیق مشہور ہوا۔

(۳) حاکم نے بروایت معمر زہری سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبحکو آپ نے یہ واقعہ لوگوں سے بیان کیا تو کچھ لوگ جو آپ پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد ہو گئے۔ اور اس واقعہ کو جا کر انہوں نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا اور کہا کہ اب آپ اپنے صاحب کو دیکھئے وہ کہتے ہیں کہ آج شب کو میں بیت المقدس گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے دریافت کیا کہ کیا وہ درحقیقت ایسا فرماتے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں! (وہ ایسا ہی کہتے ہیں) تو ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا۔ ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ان کی اس بات کو سچ سمجھتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا ہاں (میں اس بات کو سچ سمجھتا ہوں اس میں تعجب ہی کیا ہے) میں تو ان کی ان باتوں کو سچ سمجھتا ہوں جو اس سے زیادہ بھی دور از عقل ہیں۔ میں ان کو آسمان کی خبروں میں سچا سمجھتا ہوں (جو) صبح یا[1] شام میں

---

[1] یعنی معراج کے واقعہ میں اس قدر دور از عقل بات نہیں ہے جس قدر کہ جبرئیل کے آنے میں ہے۔ پس جب میں اس کی تصدیق کر چکا تو معراج کی بدرجہ اولی کرونگا۔ ۱۲

۱۴۴

(ان کے پاس آجاتی ہیں) اسی وجہ سے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا لقب صدیق ہوا۔

(۴) بخاری نے بروایت ایوب عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اگر میں اپنی امت میں کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا۔ لیکن ابو بکر میرے بھائی اور میرے ہمنشین ہیں۔

(۵) امام احمد نے بروایت جریر یعلی ابن حکیم سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں (ایک روز) اپنے سر کو کپڑا لپیٹ کر باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ اور فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے ابو بکر ابن ابی قحافہ سے زیادہ اپنی جان اور مال سے مجھ پر احسان کیا ہو۔ اور اگر میں کسی آدمی کو اپنا خلیل بناتا تو بے شک ابو بکر کو خلیل بناتا۔ مگر ابو بکر کے ساتھ مجھے اسلامی محبت دسب سے زیادہ ہے میری مسجد سے سب کی کھڑکیاں بند کر دو سوا ابو بکر کی کھڑکی کے۔

۱۴۵

(۶) بخاری نے زہری سے انہوں نے حمید بن عبد الرحمن سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی چیز کا ایک جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا وہ جنت کے کئی دروازوں سے بلایا جائیگا اور جو اہل جہاد سے ہوگا وہ جہاد کے دروازہ سے بلایا جائیگا اور جو اہل صدقہ سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازہ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل صیام سے ہوگا وہ صیام کے دروازوں سے بلایا جائیگا جس کا نام باب الریان ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جو شخص ان تمام دروازوں سے بلایا جائے اسکو تو پھر کسی قسم کی ضرورت نہ رہے گی۔ یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی کوئی شخص ہوگا جو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا حضرت نے فرمایا اے ابو بکر! میں امید رکھتا ہوں کہ تم انہی میں سے ہوگے۔ (جو ان سب دروازوں سے بلائے جائیں گے)

(۷) مسلم نے بروایت زہری عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض (وفات) میں فرمایا

(اے عائشہ) میرے پاس اپنے والد (یعنی ابو بکر) اور اپنے بھائی (یعنی عبدالرحمن) کو بلوا دو میں اندیشہ کرتا ہوں کہ کہیں کوئی تمنا کرنے والا تمنا نہ کرے اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ میں (مستحق خلافت ہوں) حالانکہ وہ (مستحق) نہ ہوگا اور یہ کہکر آپ نے فرمایا اچھا رہنے دو) اللہ اور مسلمان سوا ابو بکر کے کسی سے راضی نہ ہونگے۔

نیز حاکم نے بروایت ابن ابی ملیکہ عبدالرحمن بن ابی بکر سے اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے مرض وفات میں) فرمایا میرے پاس قلم دوات اور شانہ کی ہڈی لاؤ۔ میں تمہیں ایسی تحریر لکھا دوں کہ پھر تم کبھی گمراہ نہوگے اس کے بعد آپ نے ہماری طرف پیٹھ پھیر لی پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اللہ اور مسلمان کسی کو بجز ابو بکر کے نہ مانیں گے۔

(۸) ترمذی نے قاسم بن محمد سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں ابو بکر (موجود) ہوں اس قوم کے لئے ابو بکر کے سوا کسی اور کا امام بننا زیبا نہیں ہے۔

۱۴۶

(۹) بخاری نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آتے ہوئے نظر آئے اس حالت سے کہ اپنی چادر کا کونا پکڑے ہوئے اور اپنے گھٹنے کھولے ہوئے تھے (ان کو اس وضع سے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر (صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر) فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے صاحب (یعنی حضرت ابو بکر) ابھی کسی سے لڑ کر آ رہے ہیں (غرضکہ ابو بکر آ گئے) اور سلام کرنے کے بعد عرض کیا کہ میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان باتوں باتوں میں کچھ رنجش ہو گئی ہے۔ مجھے جلدی سے انپر غصہ آ گیا پھر مجھے ندامت ہوئی اور میں نے ان سے معافی چاہی مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ لہذا اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا اے ابو بکر! خدا تمہیں معاف کرے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نادم ہوئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر جا کر دریافت کیا کہ کیا یہاں حضرت ابو بکر ہیں؟ گھر والوں نے

باقی آئندہ

حکیم الامتہ محی السنتہ حضرت مولٰنا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کی تازہ تالیف

# خطبات الاحکام

اس میں جمعہ کے پچاس خطبہ ہیں تاکہ سال بہر تک ہر جمعہ کو نیا خطبہ پڑھا جا سکے اسکے علاوہ عیدین و
نکاح استسقاء کے بھی خطبے درج ہیں اور سب خطبے نہایت سلیس ہیں اور باوجود جامع ہونیکے نہایت مختصر ہیں
موجودہ خطبوں میں محض ترغیبی مضامین ہیں حالانکہ ضرورت احکام کی بہی ہے اس واسطے ان خطبوں میں خاص
اہتمام کے ساتھ ترغیب و ترہیب کے علاوہ ضروری احکام بھی بیان کئے ہیں مثلاً علم کی فضیلت اور ضرورت عقائد
کی درستی پاکی کی فضیلت۔ نماز کی تاکید اور فضیلت۔ قرآن شریف کا پڑھانا اور اوس پر عمل کرنا۔ ذکر اللہ اور
دعا کی فضیلت۔ نوافل کی فضیلت۔ کہانے پینے میں اعتدال کا حکم نکاح کے حقوق کسب حرام سے پرہیز
حقوق عام و خاص خلوت سفر کے آداب۔ نیک کام کا امر کرنا اور برے کام کا روکنا۔ آداب المعاشرت باطن
کی اصلاح تہذیب و اخلاق شکم اور شرمگاہ کی حفاظت زبان کی حفاظت۔ مذمت غصہ کینہ حسد۔ مذمت دنیا
بخل اور مال کی محبت حب جاہ اور ریاکاری کی برائی۔ تکبر اور خود پسندی کی مذمت دہوکہ کہانیکی مذمت توبہ
کی فضیلت اور ضرورت۔ صبر اور شکر کی فضیلت۔ خوف و رجا۔ فقر و زہد۔ توحید اور توکل محبت اور شوق اور
انس اور رضا اخلاق اور صدق۔ مراقبہ اور محاسبہ تفکر اور سوچنا۔ موت اور بعد موت کا ذکر۔ یوم عاشورہ
کے متعلق ہدایتیں صفر کے متعلق و ربیع الاول و ربیع الثانی کی رسوم ماہ رجب کے متعلق ہدایت ماہ شعبان کے
احکام ماہ رمضان کی فضیلت روزہ کی فضیلت تراویح کی فضیلت شب قدر اور اعتکاف کی فضیلت
نیز عید الضحیٰ۔ استسقاء کی نماز منجملہ اور خوبیوں کے ایک خوبی یہ بہی ہے اسمیں تمام احکام قرآن و حدیث ہی کے
ثابت کئے ہیں اور چونکہ خطبہ عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اور اسکے ساتھ غیر عربی میں مضمون بیان کرنا خلاف سنت
ہے اسواسطے خطبہ تو محض عربی ہی میں لکہا ہے مگر عوام کے مطالعہ کیواسطے اسکی آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ بہی
آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر اسکو نماز کے بعد وعظ کی جگہ سنا دیا جاوے تب بہی مفید ہوگا قیمت عام عہ/
رعایتی قیمت ۱۲ر

مِلنے کا پتہ محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلاں۔ دہلی

حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کے کمیاب مواعظ کا نیا رسالہ

# الابقاء

ہزار ہزار شکر ہو کہ خداوند عالم نے اس زمانہ پرفتن میں عالی جناب فیض مآب عمدۃ العارفین زبدۃ الکاملین۔ جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی کو اصلاح امت کے واسطے پیدا فرما کر مسلمانان ہند کے لئے خصوصاً اور دیگر ممالک کیلئے عموماً ایک نعمت عظیمہ بنایا ہو۔ جو اس زمانہ میں جبکہ ہر چہار طرف سے گمراہی کی گھٹائیں امنڈ رہی ہیں تحریراً و تقریراً حق و باطل کو ممتاز کرنے کی خدمت میں یکتائے زمانہ ہیں ان کے فیض سے بیشمار مخلوق خدا علماً و عملاً فیضیاب ہو رہی ہو اور ان کی خدمت میں حاضر ہونا کیمیائے سعادت ہے خصوصاً آپکے مواعظ سے جو فائدہ عوام و خواص کو ہو رہا ہے وہ کسی صاحب نظر پر پوشیدہ نہیں ہو مواعظ متفرقہ کا باوجود بار بار طبع ہونے کے پھر کمیاب ہونا قبولیت عامہ کی بین دلیل ہو ان نایاب مواعظ کی تلاش میں عامۃ المسلمین کی پریشانی کی اور سرگردانی کیوجہ سے احقر کو خیال ہو کہ اگر ان ختم شدہ اور کمیاب مواعظ کو ماہ بماہ ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو شائقین مواعظ کے واسطے ازحد مفید ہوگا۔ بایں خیال احقر نے ایک رسالہ موسومہ الابقاء بنام خدائے عزوجل رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ سے جاری کر دیا ہے جسکی ضخامت معہ ٹائیٹل ۳۶ صفحات ہیں اور انشاء اللہ یہی ہوا کرے گی اور ہر ماہ قمری کی پندرہ تاریخ کو شائع ہو جایا کرے گا جسکی سالانہ قیمت عہ ہو حضرت مولانا موصوف مدظلہم العالی کے مواعظ کے قدردان خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یہ صورت حضرات شائقین کے واسطے کس قدر امید افزا ہے۔ امید ہو کہ ان جواہر گم گشتہ کے متلاشی جلد از جلد رسالہ مذکورہ کے خریداران میں اپنا نام لکھوا کر حضرت والا کے علوم سے مستفید ہونیکی کوشش فرمائیں گے۔ نیز اپنے احباب کو بھی ترغیب دیکر الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق بنیں گے۔

قیمت سالانہ معہ محصولڈاک عہ ہو اور وی۔ پی۔ کی صورت میں ۲ر فیس رجسٹری اور ۲ر فیس منی آرڈر کا اضافہ ہو کر عہ ادا کرنے پڑتے ہیں ::

المشتہر محمد عثمان کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں۔ دہلی